ماہنامہ
انصار اللہ

جون 2006ء
احسان 1385ہش

ایڈیٹر
نصیر احمد انجم

مکرم داؤد جان "جان نثار احمدیت"
(فروری ۱۹۵۶ء)

احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماہنامہ

انصاراللہ

نصیر احمد انجم

احسان 1385 ھش - جون 2006ء

جلد نمبر 47

شمارہ نمبر 6

فون نمبر: 0476-212982 فیکس نمبر: 0476-214631

ای میل: ansarulah60@yahoo.com

نائبین: ریاض محمود باجوہ - محمود احمد اشرف - خواجہ ایاز احمد

اس شمارہ میں

اداریہ	صفحہ ۲	دل کی لذت (نظم) محترمہ ارشاد عرشی صاحبہ	۲۱
خدا کی خاطر صبر	۴	مکرم داؤد جان صاحب	۲۳تا۲۶
نیک تحریک کرنے کا اجر	۵	نظم	۳۶
عربی منظوم کلام	۶	مکرم چوہدری شبیر احمد سلمان صاحب	
فارسی منظوم کلام	۷	تعارف کتاب ''برکات الدعاء'' مکرم فضل احمد شاہد صاحب	۳۷
اردو منظوم کلام	۸	وقف عارضی	۴۰
ایک ایمان افروز روایت	۹		
سیرت حضرت مسیح موعودؑ مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب	۱۰ تا ۲۰		

پبلشر: عبد المنان کوثر
پرنٹر: سلطان احمد ڈوگر
کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ: انیس احمد

مقام اشاعت: دفتر انصاراللہ
دارالصدر جنوبی ربوہ (چناب نگر)
مطبع: ضیاء الاسلام پریس

شرح چندہ: (پاکستان)
سالانہ ..... ایک سو روپیہ
قیمت فی پرچہ ..... ۱۰ روپے

اداریہ

جانثارانِ احمدیت

الٰہی جماعتوں کی تاریخ ابتلاؤں اور قربانیوں سے مرصّع ہوا کرتی ہے۔ جماعت احمدیہ کی تاریخ بھی مسلسل قربانیوں سے عبارت ہے۔ جماعت کے سجیلے جوان اسیر راہ مولیٰ بنیں یا جان کی قربانی کے شرف سے ہمکنار ہوں، کبھی ان کے قدم نہیں ڈگمگاتے۔ جماعت احمدیہ میں ہر جانثار گلشن دین حق کی آبیاری کی خاطر زبان حال سے یہ عہد کرتے ہوئے جان کی بازی لگاتا ہے۔

خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

دین حق کا یہ گلستان ان حسین اور رعنا پھولوں کے لہو سے لالہ رنگ بھی ہے اور مہک بھی رہا ہے لیکن ستم بالائے ستم کہ

گلستان کو لہو کی ضرورت پڑی سب سے پہلے ہی گردن ہماری کٹی
پھر بھی کہتے ہیں مجھ سے یہ اہل چمن ہے ہمارا چمن ہے تمہارا نہیں

جماعت احمدیہ میں جانثاری کی تاریخ ایک مکمل باب ہے۔ وسط ۱۹۰۱ء میں افغانستان میں سب سے پہلے حضرت مولوی عبدالرحمان صاحب کو حق وصداقت کی خاطر جان کی قربانی دینی پڑی۔ تب سے لے کر تا دم تحریر سانگھڑ میں مئی ۲۰۰۶ء میں راہِ مولیٰ میں قربان کئے جانے والے ڈاکٹر مجیب الرحمٰن صاحب ایک ہی مسلکِ مروارید کے سچے موتی ہیں۔

افغانستان میں حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب، (ڈیٹرائٹ) امریکہ کے ڈاکٹر مظفر صاحب، ٹرینیڈاڈ کے قریشی محمد اسلم صاحب، ربوہ کے مکرم مرزا غلام قادر صاحب، سندھ کے ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب، فیصل آباد کے ڈاکٹر شمس الحق طیب صاحب یہ سب وہ سرخیل ہیں جنہوں نے اپنے لہو سے شمع دین کی لو کو فروزاں کیا۔

نہ بجھا سکیں انہیں آندھیاں جو چراغ ہم نے جلائے تھے
کبھی لو ذرا سی جو کم ہوئی تو لہو سے ہم نے اُبھار دی

سرزمین افغانستان میں کئی احمدیوں کو اپنی جانیں دین پر نچھاور کرنے کی سعادت ملی اور ان ہی میں سے ایک محترم داؤد جان بھی ہیں جو اوّل ۱۹۵۶ء میں نہایت بے دردی سے راہِ مولیٰ میں قربان کئے گئے اور بعد ازاں ان کے اہل خانہ پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے۔

حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہٗ نے مرحوم کی نماز جنازہ غائب ۲۳؍مارچ ۱۹۵۶ء کو پڑھائی۔
(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳؍اپریل ۱۹۵۶ء)

خطبہ جمعہ میں فرمایا:

’’پس تم دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کی حفاظت فرمائے اور جن لوگوں نے یہ غلطی کی ہے انہیں بھی ہدایت دے تا بجائے اس کے کہ وہ احمدیت کے خلاف تلوار اُٹھائیں۔ ان کے دل احمدیت کے نور سے منور ہو جائیں اور انہیں نیکی کی راہوں پر چلنے کی توفیق نصیب ہو۔‘‘

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳؍اپریل ۱۹۵۶ء)

محترم داؤد جان صاحب کے مختصر حالات اور واقعات الفضل میں اور ازاں بعد تاریخ احمدیت جلد ۱۸ میں شائع شدہ ہیں۔ راقم الحروف جب مدیر تشحیذ الاذہان تھا تو ہم نے محترم داؤد جان صاحب کے فرزند محترم ابراہیم جان کا ایک انٹرویو کیا تھا جو جون ۱۹۹۸ء کے تشحیذ میں شائع شدہ ہے۔ تاہم مرحوم کے تفصیلی حالات و واقعات اور ان کے اہل خانہ کی اندوھناک بپتا پہلی دفعہ منظر عام پر آ رہی ہے۔ اس کے لیے خاکسار مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب صدر مجلس انصاراللہ پاکستان کا ممنون ہے کہ جنہوں نے کمال توجہ سے یہ حالات و واقعات قلمبند کروائے۔ یہ داستان محترم ابراہیم جان نے اپنی والدہ سے سن کر بیان کی ہے۔ جو اس شمارہ میں قارئین انصاراللہ کے لئے پیش ہے۔

خدا تعالیٰ احمدیت کا چمن ہمیشہ ہرا بھرا رکھے ہر بدنظر سے بچائے۔ اور جانثارانِ احمدیت پر اپنی بے شمار رحمتیں و برکتیں نازل فرمائے۔ آمین

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

القرآن

خدا کی خاطر صبر

وَ اصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَ لَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○

(سورۃ النحل آیت ۱۲۸۔۱۲۹)

ترجمہ:

اور تو صبر کر اور تیرا صبر اللہ کے سوا اور کسی کی خاطر نہیں اور تُو اس سے تنگی میں نہ پڑ جو وہ مکر کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان کرنے والے ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ

نیک تحریک کرنے کا اجر عظیم

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَالَ لِعَلِیٍ رَضِیَ اللّٰهُ عنهُ فَوَ اللّٰهِ لَاَنْ یَّهْدِیَ اللّٰهُ بِکَ رَجُلاً وَاحِدًا خَیْرٌ لَکَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ۔

(مسلم کتاب الفضائل باب فضائل علیؓ بن ابی طالب و بخاری کتاب الجہاد)

حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا خدا کی قسم! تیرے ذریعہ ایک آدمی کا ہدایت پا جانا اعلیٰ درجے کے سُرخ اونٹوں کے مل جانے سے زیادہ بہتر ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ ۔

(مسند الامام الاعظم کتاب الادب)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک باتوں کا بتانے والا ان پر عمل کرنے کرنے والے کی طرح ہوتا ہے (یعنی عمل کرنے والے کی طرح اُسے بھی ثواب واجر ملتا ہے۔)

عربی منظوم کلام

اَللّٰہُ مَقْصِدُ مُہْجَتِیْ

اِنَّ الْمَحَبَّۃَ خُمِّرَتْ فِیْ مُہْجَتِیْ وَاَرَی الْوَدَادَ یَلُوْحُ فِیْ اَہْبَائِیْ

یقیناً محبت میری روح میں خمیر کر دی گئی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ محبت میرے تمام ذراتِ وجود میں چمک رہی ہے۔

اِنِّیْ شَرِبْتُ کُئُوسَ مَوْتٍ لِّلْھُدیٰ فَوَجَدْتُ بَعْدَ الْمَوْتِ عَیْنَ بَقَاءِ

میں نے ہدایت کی خاطر موت کے پیالے پیئے۔ پس موت کے بعد میں نے بقا کا چشمہ پا لیا

اِنِّیْ اُذِبْتُ مِنَ الْوَدَادِ وَ نَارِہٖ فَاَرَیٰ الْغُرُوْبَ تَسِیْلُ مِنْ اِھْرَائِیْ

میں محبت اور اس کی آگ سے پگھلایا گیا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے آنسو گداز ہو جانے کی وجہ سے رواں ہیں

اَلدَّمْعُ یَجْرِیْ کَالسُّیُوْلِ صَبَابَۃً وَالْقَلْبُ یُشْوٰی مِنْ خَیَالِ لِقَاءِ

عشق کی وجہ سے آنسو سیلابوں کی طرح رواں ہیں اور دل ملاقات کے خیال سے بریاں ہیں

وَاَرَی الْوَدَادَ اَنَارَ بَاطِنَ بَاطِنِیْ وَاَرَی التَّعَشُّقَ لَاحَ فِیْ سِیْمَائِیْ

اور میں دیکھتا ہوں کہ محبت نے میرے باطن کی گہرائی کو روشن کر دیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ عشق میرے چہرے پر نمودار ہے

اَلْخَلْقُ یَبْغُوْنَ اللَّذَاذَۃَ فِی الْھَوٰی وَ وَجَدْتُّھَا فِیْ حُرْقَۃٍ وَّ صَلَاءِ

لوگ تو حرص و ہوا میں لذت تلاش کرتے ہیں اور میں نے اسے پایا ہے سوزش اور جلنے میں

اَللّٰہ مَقْصِدُ مُہْجَتِیْ وَ اُرِیْدُہٗ فِیْ کُلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَالْاِمْلَاءِ

اللہ میری جان کا مقصود ہے اور میں اسی کو چاہتا ہوں قلم کے ہر قطرۂ (روشنائی) اور ہر املاء میں

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اشْرَبُوْا مِنْ قِرْبَتِیْ قَدْ مَلاء مِنْ نُوْرِ الْمُفِیْضِ سِقَائِیْ

اے لوگو! میری مَشک سے پیئو کیونکہ فیاضِ حقیقی کے نور سے میری مَشک پُر کی گئی ہے

(انجام آتھم روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۸)

فارسی منظوم کلام

گفتگو را کشش بود بسیار

کے شوی عاشق رُخِ یارے تا نہ بر دل رخش کند کارے

تو کیوں کر کسی معشوق کا عاشق ہو سکتا ہے جب تک اُس کا چہرہ تیرے دل میں بس نہ جائے

ہمچنیں زان لبے دو گفتارے آں کند کارہا کہ دیدارے

اسی طرح اُن ہونٹوں کے دو بول وہی اثر رکھتے ہیں جیسے (محبوب کا) دیدار

لاجرم عشقِ دلبرِ خوش خو خیزد از گفتگو چو دیدنِ رو

بے شک دلبرِ خوش خو کا عشق اس کی گفتگو سے بھی پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ اُس کے دیکھنے سے

گفتگو را کشش بود بسیار بے سخن کم اثر کند دیدار

کلام میں بڑی کشش ہوا کرتی ہے کلام کے بغیر دیدار کا اثر کم ہی ہوتا ہے

ہرکہ ذوقِ کلام یافتہ است رازِ ایں رہ تمام یافتہ است

جس کو ذوق گفتار نصیب ہو گیا اُس نے عشق کے راستہ کا سارا راز معلوم کر لیا

زیرِ لب گفتگوئے جانا نے زندگی بخشدت بیک آنے

محبوب کی شیریں کلامی پل بھر میں تجھے زندگی عطا کر دے گی

دوزخی کز عذاب پُرچوں خُم اصل آں ہست لایکلمہم

وہ دوزخ جو خم کی طرح عذاب سے پُر ہے اُس کی وجہ بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ اُن سے کلام نہیں کرے گا

دل نہ گردہ صفانہ خیز د بیم تا چو موسیٰ نمیشوی تو کلیم

نہ دل صاف ہوتا ہے نہ خوف دور ہوتا ہے جب تک تو موسیٰ کی طرح کلیم نہ بن جائے

ہست داروئے دل کلامِ خُدا کے شوی مست جز بجامِ خُدا

دل کی دوا خدا کا کلام ہے تو خدا کے اس جام کے بغیر سیراب کیونکر ہو سکتا ہے؟

تا نہ اُو گفت خود انا الموجود عقدۂ ہستیش کسے نہ کشود

جب تک اُس نے خود انا الموجود نہ کہا تب اُس کی ہستی کا عقدہ کوئی نہ کھول سکا

(نزول المسیح روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۸۰)

اردو منظوم کلام

مُشتِ غبار اپنا تیرے لیے اُڑایا

ہم خاک میں ملے ہیں شاید مِلے وہ دلبر
جیتا ہوں اِس ہَوس سے میری غذا یہی ہے
دُنیا میں عشق تیرا باقی ہے سب اندھیرا
معشوق ہے تو میرا عشق صفا یہی ہے
مُشتِ غبار اپنا تیرے لیے اُڑایا
جب سے سنا کہ شرطِ مہر و وفا یہی ہے
دلبر کا درد آیا حرف خودی مٹایا
جب مَیں مَرا جِلایا جامِ بقا یہی ہے
اس عشق میں مصائب سَو سَو ہیں ہر قدم میں
پر کیا کروں کہ اس نے مجھ کو دیا یہی ہے
حرف وفا نہ چھوڑوں اس عہد کو نہ توڑوں
اُس دلبر ازل نے مجھ کو کہا یہی ہے
جب سے ملا وہ دلبر دُشمن ہیں میرے گھر گھر
دل ہو گئے ہیں پتھر قدرو قضا یہی ہے
مجھ کو ہیں وہ ڈراتے پھر پھر کے در پہ آتے
تیغ و تبر دِکھاتے ہر سُو ہوا یہی ہے

(درثمین)

ایک ایمان افروز روایت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے متعلق ایک ایمان افروز روایت جو حضرت حافظ سید مختار احمد شاہجہانپوری صاحب سے مکرم چوہدری عبدالواحد ودیارتھی نائب ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ نے سنی اور اپنی ڈائری میں ۲۹؍جون ۱۹۶۵ء کو درج کی احباب کے استفادہ کے لیے شائع کی جارہی ہے۔ یہ روایت ہمیں مکرم راجہ یعقوب احمد صاحب کارکن نظارت اصلاح وارشاد مرکزیہ نے بھجوائی۔

۲۹؍جون ۶۵ء۔ میں حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوری نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں ایک شخص جس کا نام صوفی علی محمد یا محمد علی تھا نے اجازت چاہی کہ انہیں بھی تقریر کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضور اقدس نے اجازت فرمائی۔ انہوں نے حضرت اقدس کی کتاب آئینہ کمالات ..... کے اقتباس پڑھ کر وحدتُ الوجود بڑی برجستہ اور موثر تقریر کی ہم کہتے تھے کہ حضور تو وحدتُ الوجود کے قائل نہیں یہ کیا بات ہے؟ تقریر ختم ہوئی تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس مسئلہ کا ردّ اللہ تعالیٰ نے اُمّ الکتاب میں سورۂ فاتحہ میں ہی فرمادیا۔ **الحمد للّٰہ ربّ العلمین** حضور کا اتنا فرمانا تھا کہ صوفی علی محمد صاحب چیخ مار کر حضور اقدس کے قدموں میں گر پڑے اور پکارنے لگے میں مارا گیا میں برباد ہوگیا۔ حضور نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر تسلی دی اور فرمایا کہ جو پہلے گزر چکا اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

حضرت حافظ نے فرمایا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے **الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین** پڑھا تو ہاتھ پلے کچھ نہ پڑا صوفی علی محمد صاحب صوفی تھے وہ اس رمز کو فوراً سمجھ گئے مگر میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ پیر منظور محمد صاحب نے میری طرف دیکھا اور میری حالت کو سمجھ گئے۔ انہوں نے کہا کہ حضور اقدس نے الحمدللہ رب العالمین پڑھ کر مسئلہ وحدت الوجود کا ردّ فرمایا۔ فرمایا ہے کہ ربّ، عالمین سے جدا ہے۔ (حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ ہم نے دو شخصوں کے متعلق دیکھا جن کے سر پر حضور اقدس نے شفقت سے ہاتھ پھیرا ایک یہی صوفی علی محمد صاحب دوسرے خانصاحب ذوالفقار علی خان صاحب۔

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

زیرنظر خطاب مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب صدر مجلس انصاراللہ پاکستان نے جامعہ احمدیہ کی ایک پُروقار تقریب میں کیا۔ گذشتہ شمارہ میں پہلا حصہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب دوسرا اور آخری حصہ پیش خدمت ہے۔ (مدیر)

(گزشتہ سے پیوستہ)

گند بکنے اور گالیاں دینے کا ایک اور واقعہ حضرت مولوی فضل الٰہی صاحب نے حضرت حافظ عبدالرحمٰن سیاح امرتسری کی روایت سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ غالباً 1893ء کی بات ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دہلی سے واپسی پر امرتسر میں قیام فرمایا۔ ایک روز جب بہت سے غیر از جماعت شرفاء بھی مجلس میں حاضر تھے۔ ایک سقّہ یعنی ماشکی جوغزنوی اصحاب کا مرید تھا مجلس میں آگیا اور حضور کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ تم نے دین کو برباد کر دیا۔ اس نے حد درجہ گستاخی سے کام لیا اور بہت یاوہ گوئی کی۔ ان بیہودہ باتوں کو سن کر ان غیر از جماعت شرفاء نے بھی بہت برا منایا اور چاہا کہ اس شخص کو دبائیں اور روکیں لیکن حضور نے ان کو منع کر دیا اور فرمایا اسے چھوڑ دیں۔ مولویوں نے اسے بہکایا ہے۔ اس کا قصور نہیں ہے۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب.....ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک روز ایک ہندوستانی جس کو اپنے علم پر بڑا ناز تھا.....ہماری مسجد میں آیا اور حضرت سے آپ کے دعویٰ کی نسبت بڑی گستاخی سے باب کلام وا کیا۔ اور.....کئی دفعہ کہا آپ اپنے دعویٰ میں کاذب ہیں اور میں نے ایسے مکار بہت سے دیکھے ہیں اور میں تو ایسے کئی بغل میں دبائے پھرتا ہوں۔ غرض ایسے ہی بے باکانہ الفاظ کہے مگر آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا بڑے سکون سے سُنا کئے اور پھر بڑی نرمی سے اپنی نوبت پر کلام شروع کیا''۔

(سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ مولانا عبدالکریم سیالکوٹی صفحہ ۴۴)

13 فروری 1903ء کی بات ہے ایک صاحب لکھنؤ سے آئے۔ ڈاکٹر تھے انہوں نے بیان کیا کہ ان کے دوستوں نے انہیں تحقیق کے لئے بھجوایا ہے۔ انہوں نے سوال وجواب کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے بیان میں شوخی، بدزبانی اور استہزاء تھا مگر حضور نے کچھ بھی پروانہ کی۔ نہایت اطمینان سے ان کے سوالوں کا جواب دیتے رہے۔ دوران گفتگو ان ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ سے زیادہ فصیح عربی کوئی نہیں لکھ سکتا جب کہ حالت یہ ہے کہ آپ قاف تو صحیح طریق پر کہہ نہیں سکتے۔ عرفانی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں اس مجلس میں موجود تھا۔ اس کی باتیں نہایت گستاخانہ اور بے ہودہ تھیں جو ہم برداشت نہ کر سکتے تھے مگر حضور کی وجہ سے مجبوراً ضبط کئے بیٹھے تھے۔ اس بیہودہ سوال پر حضور نے

صرف اتنا جواب دیا میں پنجابی ہوں اس لئے میرا لہجہ لکھنوی نہیں ہوسکتا۔ نیز فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی یہ اعتراض ہوا تھا کہ لَا یَکَادُ یُبِیْن اور احادیث میں مہدی کے بارے میں آیا ہے کہ اس کی زبان میں لُکنت ہوگی۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ سوال حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب.....کو بہت ناگوار گذرا۔ وہ اس سوء ادبی کو برداشت نہ کر سکے اور کہا یہ حضرت اقدس کا ہی حوصلہ ہے اس پر ڈاکٹر صاحب طیش میں آ گئے اور کہنے لگے میں اعتقاد نہیں رکھتا اور یہ کہ استہزاء اور گالیاں سننا انبیاء کا ورثہ ہے۔ حضور نے اس کے جواب میں فرمایا ہم ناراض نہیں ہوتے یہاں تو خاکساری ہے۔ پھر احباب جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اگر کوئی مہمان آوے اور سبّ وشتم تک نوبت پہنچ جاوے تو اس کو گوارا کرنا چاہیے کیونکہ وہ مریدوں میں تو داخل نہیں۔ ہمارا کیا حق ہے کہ اس سے وہ ادب اور ارادت چاہیں جو مریدوں سے چاہتے ہیں۔ یہ بھی ہم ان کا احسان سمجھتے ہیں کہ نرمی سے بات کریں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کئی روز تک قادیان میں مقیم رہے اور روزانہ صبح شام کی مجالس میں اور سیر میں حضور سے سوال و جواب کرتے رہے اور حضور کی نرمی، حلیمی اور حُسن اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جانے سے قبل انہوں نے حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی۔ نیز کہا کہ ”میں بہت بُرا ارادہ کر کے آیا تھا کہ میں آپ سے استہزاء کروں اور گستاخی کروں مگر خدا نے میرے ارادہ کو رد کر دیا میں اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو فتویٰ آپ کے خلاف دیا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے“۔

(سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ شیخ یعقوب علی عرفانی (۔) صفحہ ۴۵۱ تا ۴۵۳)

میرٹھ سے ایک شخص جس کا نام احمد حسین شوکت میرٹھی تھا ایک اخبار شحنہ ہند نکالتا تھا۔ شوکت میرٹھی صاحب اپنے آپ کو مجدد السنہ شرقیہ کہا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے اخبار کا ایک ضمیمہ نکالنا شروع کیا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی مخالفت کے لئے وقف تھا۔ اس ضمیمہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں نہایت درجہ گندے، دلآزار اور اخلاق سے گرے ہوئے مضامین چھاپے جاتے تھے ان کو مضامین کہنا بھی غلط ہے دراصل وہ گالیاں ہوتی تھیں۔ احمدیوں کے لئے یہ بڑی تکلیف دہ بات تھی اور میرٹھ کے احمدیوں کو تو چونکہ روز یہ گالیاں پڑھنی اور سننی پڑتی تھیں اس لئے وہ بہت محسوس کرتے تھے۔ آخر تنگ آ کر میرٹھ کی جماعت کے صدر جناب شیخ عبدالرشید صاحب قادیان تشریف لائے اور حضور سے اجازت کی درخواست کی کہ ضمیمہ شحنہ ہند کے گندے مضامین پر عدالت میں مقدمہ کر دوں۔ جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے وہ مضامین۔ مضامین کم اور گالیاں زیادہ تھیں اور پورا یقین تھا کہ عدالت ہتک عزت کے مقدمہ میں شوکت میرٹھی کو سزا دیدیگی۔ لیکن حضور نے شیخ صاحب کو مقدمہ کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا ”ہمارے لئے خدا کی عدالت کافی ہے۔ یہ گناہ میں داخل ہوگا اگر ہم خدا کی تجویز پر تقدم کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ صبر اور برداشت سے کام لیں“۔

(سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ شیخ یعقوب علی عرفانی (۔) صفحہ ۱۱۳)

ان احمدیوں کے لئے جو روزانہ اس گند کو دیکھتے تھے حضور کا یہ فیصلہ بڑی تکلیف دہ بات تھی کہ طاقت رکھتے ہوئے اور یقینی طور پر یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ ایسے بدباطن، بدگوہر زہ سرا کو بہرحال عدالت کچھ نہ کچھ سزا ضرور دے گی

اُس کے خلاف چارہ جوئی بھی نہ کی جائے۔

اُوپر میں نے ''دیکھنا'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور وہ اس لئے کہ کسی بھی احمدی کے لئے یا یوں کہنا چاہیے کہ کسی بھی شریف آدمی کے لئے گند کے اس طومار کو پڑھنا ممکن ہی نہ تھا۔

آج ہم لوگوں کے لئے شاید مقدمہ درج نہ کرنے کا یہ فیصلہ اتنی بڑی بات نہ ہو کہ ہم نے وہ گند کا طومار پڑھا نہیں اور پھر ہم اپنے حالات کے تحت اس بات کے عادی ہو چکے ہیں کہ چونکہ ہمیں عدالتوں سے انصاف نہیں ملتا اس لئے عدالت میں جانا ہی بے سود اور بے فائدہ نظر آتا ہے مگر جس زمانے کی یہ بات ہے وہ انگریزی حکومت کا زمانہ تھا اور انگریز حکام انصاف کرنے میں بہت حساس تھے اور انصاف کے معاملے میں اپنوں اور پرایوں میں تفریق نہ کرتے تھے۔

انگریزوں کے انصاف کی بات آئی ہے تو ایک اور واقعہ بھی یاد آتا ہے جسمیں حضور کے دشمن کو معاف کرنے کے خُلق کی عجیب شان نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر مارٹن کلارک عیسائی تھے۔ ڈاکٹر تھے اور امرتسر میں میڈیکل مشنری کے طور پر تعینات تھے۔ پادری عبداللہ آتھم صاحب کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے مباحثہ میں جو جنگ مقدس کے نام سے شائع شدہ ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے صدر تھے۔ 1897ء میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اقدام قتل کا مقدمہ دائر کیا۔ یہ مقدمہ ایک عرصہ چلتا رہا اور بالآخر کیپٹن ڈگس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے مقدمہ کی حقیقت سمجھ کر جب اس مقدمہ کو بالکل جھوٹا اور بے بنیاد پایا تو حضور کو باعزت بری کر دیا۔ فیصلہ سنانے کے بعد کیپٹن ڈگس نے حضور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''کیا آپ چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر کلارک پر مقدمہ چلائیں اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ کو حق ہے''۔

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس وقت عدالت میں موجود تھا۔ کیپٹن ڈگس کی اس بات پر حضور نے فرمایا:

''میں کوئی مقدمہ کرنا نہیں چاہتا میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے''۔

(سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ شیخ یعقوب علی عرفانی (۔) صفحہ ۱۱۴)

پھر اسی مقدمہ کی بات ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو اقدام قتل کے اس مقدمہ میں ڈاکٹر مارٹن کلارک کی طرف سے ایک گواہ کے طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف پیش ہوئے تھے۔ حضور کے خلاف گواہی دینے کے بعد جب جرح کا موقعہ آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وکیل مولوی فضل الدین صاحب پلیڈر لاہور نے گواہ کی حیثیت مشکوک کرنے کے لئے ان پر چند سوال کرنا چاہے۔ وہ سوال ایسے تھے جن کے نتیجے میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے چہرے سے عزت و عظمت کا نقاب اتر کر ان کا اصل چہرہ ظاہر ہو جاتا تھا لیکن حضور نے ان سوالوں کی اجازت نہ دی۔ مولوی فضل الدین صاحب وکیل نے بار بار حضور سے درخواست کی کہ بحیثیت وکیل یہ میرا فرض ہے کہ میں گواہ کی اصلی صورت عدالت کے سامنے پیش کروں تا کہ اس کی گواہی کی قدر و قیمت عدالت پر ظاہر ہو جائے

مگر حضور نے سختی سے اپنے وکیل کو ایسے سوال کرنے سے روک دیا اور فرمایا میں مولوی صاحب کی عزت کو برباد نہیں کرنا چاہتا۔
(سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ شیخ یعقوب علی عرفانی (۔) صفحہ ۱۱۶، ۱۱۷)

مولوی فضل الدین صاحب غیر احمدی ہونے کی حالت میں ہی فوت ہوئے اور ساری عمر اس واقعہ کا ذکر کرتے اور حضور کی اس عالی حوصلگی پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے رہے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ہی ایک اور واقعہ ہے آخری زمانہ کی بات ہے مولوی صاحب کے حالات تبدیل ہو چکے تھے۔ ہر قسم کی مشکلات ان کو درپیش تھیں اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ پیسے نہ ہونے کے سبب کوئی کاتب ان کا رسالہ لکھنے کو تیار نہ ہوتا تھا اور کوئی پریس رسالہ چھاپتا نہ تھا۔ ان حالات میں مکرم مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے ہم مسلک اہل حدیث مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو جن کا امرتسر میں اپنا پریس تھا مدد کے لئے لکھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے کام کرانے کی حامی بھر لی لیکن یہ کہا کہ وہ کتابت اور طباعت کی اجرت بھجوا دیں تو کام کر دیا جائے گا۔ ادھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے لئے یہ بات ممکن نہ تھی۔ پھر مولوی صاحب نے حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب سے رابطہ کیا اور ان کو کہا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کریں کہ وہ یہ کام کرا دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اس دشمن کی درخواست پر جس نے سارے ہندوستان کا دورہ کر کے مولویوں سے حضور کے خلاف کفر کا فتویٰ حاصل کیا تھا اور حضور کو نعوذ باللہ دجّال اور ضال قرار دیا تھا اور جس نے اسی پر بس نہ کی تھی بلکہ حضور پر دائر ہونے والے اقدام قتل کے مقدمہ میں عیسائیوں کی طرف سے حضور کے خلاف گواہی بھی دی تھی۔ یہ جواب دیا کہ حضرت شیخ صاحب سے فرمایا ''ان کو کہہ دو کہ وہ اپنی کاپیاں اور مضمون لے کر آجاویں میں اپنا کام بند کر کے ان کا کام کرا دوں گا خواہ وہ میری مخالفت ہی میں ہو''۔ (سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ شیخ یعقوب علی عرفانی (۔) صفحہ ۲۶۴، ۲۶۵)

اللّٰھم صلّ علیٰ محمد و آل محمد و بارک وسلم ۔

مرزا امام الدین صاحب اور مرزا نظام الدین صاحب کا نام آپ نے سنا ہی ہوگا۔ یہ حضور کے چچازاد بھائی تھے لیکن سخت دشمن تھے اور مخالفت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور باوجود اس کے کہ حضور کی طرف سے بار بار احسان اور مروّت دیکھتے تھے لیکن پھر بھی دشمنی اور دکھ دینے سے باز نہ آتے تھے۔

جن دوستوں کو قادیان جانے کا اتفاق ہوا ہو وہ بہتر طور پر اندازہ کر سکتے ہیں۔ گول کمرہ کے ساتھ سے ایک تنگ سی سیڑھی بیت مبارک کو بھی چڑھتی ہے۔ حضور کے زمانے میں بیت الذکر کو جانے کا یہی ایک راستہ تھا۔ اس کے سامنے آج کل نظامت جائیداد کا دفتر جس کمرہ میں ہے یہ کمرہ حضور کے ان دونوں چچازاد بھائیوں کی ملکیت تھی۔ گول کمرہ اور اس کمرہ کے درمیان سے راستہ بازار کو جاتا تھا اور بیت مبارک کو بھی یہ راستہ شارع عام تھا۔ مرزا امام دین صاحب نے اس راستہ پر دیوار چنوا دی اور راستہ بند ہو گیا۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی بیان کرتے ہیں کہ ''دیوار ہماری آنکھوں کے سامنے بن رہی تھی اور ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ہم کچھ نہ کر سکتے تھے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کی تعلیم تھی کہ شر کا مقابلہ شر سے نہ کرو.....اگر اجازت ہوتی تو وہ دیوار ہرگز نہ بن سکتی تھی'' بہر حال دیوار بن گئی اور بیت مبارک تک پہنچنے کے لئے ایک بہت لمبے راستے سے آنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ پانچ وقت نماز کے لئے اتنے لمبے راستے سے آنا جماعت کے دوستوں کیلئے بہت مشکل تھا اس زمانے میں گلیاں بھی کچی تھیں اور بارش ہو جاتی تو کیچڑ ہو جاتا اور احمدی کیچڑ میں پھنس جاتے تھے حضرت عرفانی صاحب فرماتے ہیں کہ آج پکے فرش پر سے گذرنے والے احمدیوں کے لئے ان تکلیفوں کا تصور بھی محال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اپنے خدام کی ان تکالیف کو بہت محسوس کرتے تھے مگر کوئی چارہ نہ تھا۔ آخر صورتحال یہ بنی کہ مرزا امام الدین صاحب وغیرہ نے احمدیوں کا راستہ بھی روک دیا اور پانی کی فراہمی بھی روک دی اور صورت حال ایسا رخ اختیار کر گئی کہ حضور نے قادیان سے ہجرت کرنے کا بھی سوچا۔ آخر کار باوجود سخت درجہ کراہت کے حضور کو عدالت میں جانا پڑا اور یہ ایک ہی بار ہوا کہ حضور نے عدالت سے داد رسی چاہی ورنہ مخالفین کی طرف سے ناحق مقدمات ہونے کے باوجود حق رکھتے ہوئے بھی حضور نے کسی کے خلاف چارہ جوئی نہ کی تھی۔ پونے دو سال تک مقدمہ چلتا رہا اور آخر کار حضور کے حق میں فیصلہ ہوا اور عدالت نے نہ صرف دیوار گرانے کا حکم دیا بلکہ یہ حکم بھی دیا کہ مرزا امام الدین صاحب اور مرزا نظام الدین صاحب نہ صرف حرجانہ ادا کریں بلکہ مقدمہ کا خرچ بھی حضور کو ادا کریں۔

حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کو تو اس سلسلہ میں مقدمہ کا خرچ اور حرجانہ لینے کا خیال بھی نہ تھا اور نہ حضور کی ایسی باتوں کی طرف توجہ ہی تھی۔ جب معیاد گذر جانے کی تاریخ قریب آئی تو مکرم خواجہ کمال الدین صاحب نے جو حضور کے وکیل تھے محض اس خیال سے کہ معیاد گذرنے کے بعد کارروائی نہ ہو سکے گی۔ عدالت میں اجراء کی درخواست دیدی۔ اس وقت مرزا امام الدین صاحب تو فوت ہو چکے تھے۔ حسب ضابطہ جب عدالت نے مرزا نظام الدین صاحب کے نام نوٹس جاری کر دیا تو انہوں نے حضور کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ حضور اس وقت گورداسپور میں تھے۔ عرفانی صاحب فرماتے ہیں کہ خط بھجوانے سے قبل مرزا نظام الدین صاحب نے وہ خط مجھے سنایا بھی تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ میں قانونی طور پر اس روپیہ کو ادا کرنے کا پابند ہوں اور آپ کو وصول کرنے کا ہر طرح حق بھی ہے۔ مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ ہماری طرف سے ہمیشہ آپ کو تکلیف پہنچتی رہی ہے مگر آپ رحم کریں اور معاف کر دیں اور اگر معاف نہ کریں تو کم از کم اقساط میں روپیہ دینے کی رعائت دیدیں۔ جب یہ خط حضور کی خدمت میں پیش ہوا تو حضور نے سخت رنج اور دکھ کا اظہار فرمایا کہ میرے سے پوچھے بغیر کیوں ڈگری کا اجراء کرایا گیا۔ حضرت اقدس نے خواجہ صاحب کے اس عذر کو بھی قبول نہ فرمایا کہ صرف معیاد گذر جانے کے خیال سے ایسا کیا گیا تھا۔ ڈگری کی تعمیل مقصود نہ تھی اور فرمایا کہ ''انہوں نے اگر تکلیف دینے کے لئے یہ کام کیا تو ہمارا یہ کام نہیں ہے'' اور حضور نے اسی وقت مرزا نظام الدین صاحب کے نام ایک خط لکھا جس میں نہایت درجہ ہمدردی اور مہربانی کا اظہار کیا گیا تھا اور ان کو بتایا کہ یہ ساری کارروائی آپ کی لاعلمی میں ہوئی ہے نیز ان کو یقین دلایا کہ اس ڈگری کا کبھی اجراء نہ کرایا جائے گا۔ حضور نے اس خط کو جلد پہنچانے کے لئے اتنی تاکید کی تھی کہ مولوی

یارمحمد صاحب جو یہ خط لے کر گورداسپور سے قادیان آئے تھے مرزا نظام الدین صاحب کو وہاں نہ پا کر موضع مسانیاں گئے اور وہاں ان کو یہ خط دے کر آئے اور اس اطلاع کے ملنے پر کہ مرزا نظام الدین صاحب کو خط مل گیا ہے حضور کو تسلی ہوئی۔
(سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ شیخ یعقوب علی عرفانی (۔) صفحہ ۱۲۱ تا ۱۲۵)

عفو اور درگذر کے یہ واقعات جو بیان ہوئے ایک نمونہ ہیں ورنہ حضور کی زندگی میں ایسے واقعات ایک معمول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حسن سلوک کرنے والوں کے ساتھ تو ہر کوئی اچھا برتاؤ کرتا ہے لیکن حضور نے اپنے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں جس طرح تکلیف دینے والوں کے ساتھ حسن سلوک کیا اور جان کے دشمنوں تک کے قصور معاف کر کے ان پر احسان فرمایا اور جو لوگ حضور کی عزت کے درپے ہوئے ان کے ساتھ بھی ہمیشہ عزت اور اکرام کے ساتھ پیش آئے بلکہ ان کی عزت کی خاطر اپنا نقصان بھی گوارا کر لیا۔ یہ حضور کا ہی خاصہ ہے اور ایک بہت لمبا قصہ ہے جس کے بیان کے لئے دفتر درکار ہیں۔ اور لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم کے مطابق دل تو یہی چاہتا ہے کہ اس حکایت کو طول دیا جائے لیکن وقت کی کمی کے باعث نہ چاہتے ہوئے بھی میں اسے مختصر کرنے پر مجبور ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ طریق ہے جسے اختیار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور کے ہاتھوں اس جماعت کا قیام فرمایا تھا اور یہی وجہ ہے کہ حضور نے اپنی تصنیف کشتی نوح میں اس سلسلہ میں ہمیں نصیحت فرمائی اور فرمایا ہے کہ اگر دیگر تمام نصائح کے ساتھ ہم حضور کی اس نصیحت پر بھی عمل کریں گے اور اپنے قصوروار کے قصوروں کو معاف کریں گے اور اپنے پر ظلم کرنے والوں کے ظلم کا جواب احسان کے ساتھ دیں گے تب ہی ہم اس امن اور امان اور طمانیت اور اطمینان اور عافیت اور سلامتی اور خیر اور بھلائی کے حقدار قرار پائیں گے جس کا وعدہ حضور نے اپنے اس شعر میں فرمایا ہے کہ:

صدق سے میری طرف آؤ اِسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

خدا کرے کہ ہم جو اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدام میں شامل کرتے ہیں اور خود کو حضور کا غلام اور حضور کا جاں نثار کہتے اور حضور سے محبت اور پیار اور عشق اور وفا کا تعلق رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حضور کی بیان فرمودہ تمام نصائح پر عمل کرنے والے ہوں اور اس نصیحت کے حوالے سے ہم اپنے قصوروار وں کے قصور معاف کرنے والے اور اپنے پر ظلم کرنے والوں پر احسان کرنیوالے اور دکھ دینے والوں کو آرام پہنچانے والے اور گالیاں سن کر دعا دینے والے بنیں تا حضور کا وعدہ ہمارے حق میں پورا ہو اور ہم اس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی حضور کے قائم کردہ عافیت کے حصار میں داخل ہوں۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے، ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں اس کی ہمت اور طاقت اور قوت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ہمیں تسلّی دیتے ہوئے اور حوصلہ دلاتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:

''میں تمہیں کہتا ہوں کہ جب ایسی گالیاں اور ایسے اعتراض سنو تو غمگین اور دل گیر مت ہو کیونکہ تم سے اور مجھ سے

پہلے خدا کے پاک نبیوں کی نسبت یہی لفظ بولے گئے ہیں تو ضرور تھا کہ خدا کی وہ تمام سنتیں اور عادتیں جو نبیوں کی نسبت وقوع میں آچکی ہیں ہم میں پوری ہوں''۔

اور پھر دوسرے مقام پر فرمایا:

اے میرے پیارو! شکیب وصبر کی عادت کرو — وہ اگر پھیلائیں بدبو تم بنو مشک تتار
گالیاں سنکر دعا دو پا کے دکھ آرام دو — کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار
تم نہ گھبراؤ اگر وہ گالیاں دیں ہر گھڑی — چھوڑ دو ان کو کہ چھپوائیں وہ ایسے اشتہار
چپ رہو تم دیکھ کر ان کے رسالوں میں ستم — دم نہ مارو گر وہ ماریں اور کر دیں حال زار
دیکھ کر لوگوں کا جوش وغیظ مت کچھ غم کرو — شدت گرمی کا ہے محتاج باران بہار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۴۴)

عفو ودرگذر، معافی وچشم پوشی، شفقت اور رحمت کے یہ واقعات سن کر یہ نتیجہ نکالنا ہرگز درست نہ ہوگا کہ ہر صورت حال میں حضور کا یہی طریق اور یہی رویّہ ہوتا تھا۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ جو حضور کی طبیعت کو سمجھتے تھے اور حضور کے مزاج شناس تھے اس بارے میں لکھتے ہیں:

''ایک ہی چیز ہے جو آپ کو متاثر کرتی ہے اور جنبش میں لاتی ہے اور حدّ سے زیادہ غصہ دلاتی ہے۔ وہ ہے ہتک حرمات اللہ اور اہانت شعائر اللہ''۔ (سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ مولانا عبدالکریم سیالکوٹی صفحہ ۵۴)

حضور علیہ السلام کی زندگی کے حالات کا معمولی علم رکھنے والا بھی اس بات کو جانتا ہے کہ حضور اپنے بزرگوں کا حد سے زیادہ عزت، احترام اور ادب کرنے والے تھے اور یہی وجہ تھی کہ باوجود اس کے کہ حضور طبعی طور پر دنیاداری کے کاموں سے سخت بیزاری اور کراہت محسوس کرتے تھے محض اپنے والد صاحب کے حکم کی تعمیل میں ایک زمانۂ دراز تک مقدمات اور زمینداری کے کاموں میں مشغول رہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ:

''میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا''۔

اور یہی کیفیت حضور کی دیگر بزرگوں کے ساتھ تھی۔ درجہ بدرجہ حضور ان کے ساتھ عزت اور احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ لیکن اس تمام تر عزت اور احترام کے باوصف جو حضور اپنے بزرگوں کا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اپنے چچا مرزا غلام حیدر صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ دوران گفتگو حضور کی چچی بی بی صاحب جان کے منہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کا کلمہ نکلا۔ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب جو اس موقعہ پر موجود تھے بیان کرتے ہیں اس کا ایسا اثر آپ پر ہوا کہ آپ کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا اور آپ کھانا چھوڑ کر آ گئے اور پھر کبھی ان کے گھر تشریف نہیں لے گئے اور نہ ہی ان کے گھر کا پکا ہوا کھانا کھایا۔ (سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ شیخ یعقوب علی عرفانی (۔) صفحہ ۲۶۹۔۲۷۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب جنہیں دعوے سے قبل بہت لمبا عرصہ حضور کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ایک بات میں نے والد صاحب میں خاص طور پر دیکھی ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف والد صاحب ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت کی شان کے خلاف ذرا سی بات بھی کہتا تھا تو والد صاحب کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور غصے سے آنکھیں متغیر ہونے لگتی تھیں اور فوراً ایسی مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو والد صاحب کو عشق تھا ایسا عشق میں نے کسی شخص میں نہیں دیکھا۔ اور مرزا سلطان احمد صاحب نے اس بات کو بار بار دہرایا''۔ (سیرت طیبہ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد (۔) طبع اوّل صفحہ ۳۸۔۳۹)

عشق اور محبت اور جاں نثاری وفدائیت اور غیرت کی یہ کیفیت تھی جو ہر دوسرے جذبہ پر غالب آ جاتی تھی۔ چنانچہ ایک بار جب حضور فیروزپور سے قادیان واپس تشریف لاتے ہوئے ایک سٹیشن پر گاڑی کا انتظار فرما رہے تھے۔ پنڈت لیکھرام صاحب بھی جالندھر جانے کے لئے وہاں آئے ہوئے تھے۔ پنڈت صاحب حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب رضی اللہ عنہ سے یہ معلوم کر کے کہ حضور بھی آئے ہوئے ہیں سلام کرنے کے لئے آئے۔ اور ہاتھ جوڑ کر آریوں کے طریق پر حضور کو سلام کیا۔ حضرت شیخ صاحب کہتے ہیں حضور نے یونہی آنکھ اٹھا کر سرسری طور پر دیکھا مگر کوئی جواب نہ دیا۔ پنڈت صاحب نے یہ سمجھ کر کہ شائد حضور نے سنا نہیں ہے پھر سلام کیا مگر حضور نے کوئی توجہ نہ کی۔ کچھ دیر ٹھہر کر پنڈت صاحب چلے گئے۔ کسی نے یہ سوچ کر کہ شائد حضور کو ان کے آنے کا علم نہیں ہوا عرض کیا کہ پنڈت لیکھرام صاحب آئے تھے اور سلام کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا ''اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی توہین کی ہے۔ میرے ایمان کے خلاف ہے کہ میں اس کا سلام لوں''۔ (سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ شیخ یعقوب علی عرفانی (۔) صفحہ ۲۷۱)

شعائر اللہ کی عظمت کے قیام کے لئے غیرت کے اظہار اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محبت اور عشق کی یہی کیفیت تھی جس کے تحت حضور نے باوجود اس محبت کے جو آپ حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب سے کرتے تھے جب وچھووالی لاہور میں آریہ صاحبان نے ایک جلسہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت گند بکا اور بات گالیوں تک جا پہنچی تو دیگر احمدیوں کے علاوہ حضرت مولوی صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے وہاں موجود رہنے پر حضور سخت ناراض ہوئے اور بار بار جوش کے ساتھ فرمایا کہ تم اس مجلس میں بیٹھے کیوں رہے۔ کیوں نہ اٹھ کر باہر چلے آئے۔ تم نے یہ برداشت کس طرح کیا کہ ہمارے آقا کو گالیاں دی جائیں اور تم خاموش بیٹھے سنتے رہو! پھر بڑے جوش کے ساتھ حضور نے یہ آیت تلاوت کی:

اِذا سَمِعْتُمْ اٰیاتِ اللہ یُکفَرُبھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ۔

(سیرت طیبہ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد (۔) طبع اوّل صفحہ ۳۷)

اس واقعہ کو پڑھتے اور سنتے ہوئے یہ بات مدنظر رکھنی ضروری ہے کہ یہ تمام ناراضگی اس شخص کے لئے تھی جس کا

پاس حضور کو اپنے تمام مریدوں سے زیادہ ہوتا تھا اور جس کی خاطر داری ہمیشہ حضور کو ملحوظ رہی اور پھر اس بیٹے کے لئے تھی جو وعدے کا فرزند تھا اور جس نے بعد میں مصلح موعود ہونا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق عالیہ کے بارے میں جو خاص بات ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ شعائر اللہ اور محرمات الٰہی کی تعظیم اور احترام کے لئے تو آپ ایک ننگی تلوار ہو جاتے تھے۔ باقی تمام معاملات میں حضور کی مخلوق خدا پر شفقت اور رحمت اور حضور کا رحم دوسرے تمام جذبوں پر غالب رہتا تھا اور اس طرح حضور رَحْمَتِیْ غَلَبَتْ غَضَبِیْ کے صحیح مظہر تھے۔

ان ہی پنڈت لیکھرام صاحب کی بات ہے جن کی زندگی میں حضور ان کا سلام لینے کے بھی روادار نہ تھے۔ 1897ء میں جب پنڈت صاحب حضور کی پیشگوئی کے مطابق اپنے انجام کو پہنچے اور اپنی ہلاکت کے ساتھ اسلام کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر گئے تو جہاں طبعاً حضور کو خدا کے منہ کی بات پوری ہونے اور اسلام کی تائید میں ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہونے پر خوشی ہوئی وہاں حضور کو اس بات پر صدمہ بھی ہوا کہ ایک روح سچائی سے محرومی کی حالت میں اگلے جہاں سدھار گئی۔ اپنے دل کی کیفیت کو حضور یوں بیان فرماتے ہیں۔ ”ہمارے دل کی اس وقت عجیب حالت ہے درد بھی ہے اور خوشی بھی۔ درد اس لئے کہ اگر لیکھرام رجوع کرتا۔ زیادہ نہیں تو اتنا ہی کرتا کہ وہ بدزبانیوں سے باز آجاتا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس کے لئے دعا کرتا اور میں امید رکھتا تھا کہ اگر وہ ٹکڑے ٹکڑے بھی کیا جاتا تب بھی زندہ ہو جاتا“۔

(سراج منیر روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۲۸)

پھر یہ عفو و درگذر اور رحمت اور شفقت علی خلق اللہ کا ہی جذبہ ہے کہ جن دنوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے پنجاب میں طاعون کا عذاب نازل فرمایا اور بے شمار آدمی ایک ایک روز میں اسکا شکار ہو رہے تھے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے حضور کو علیحدگی میں دعا کرتے سنا۔ اس دعا کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

”اس دعا میں آپ کی آواز میں اس قدر درد اور سوزش تھی کہ سننے والے کا پتہ پانی ہوتا تھا۔ اور آپ اس طرح آستانہ الٰہی پر گریہ وزاری کر رہے تھے کہ جیسے کوئی عورت دردِ زہ سے بے قرار ہو۔ میں نے غور سے سنا تو آپ مخلوق خدا کے واسطے طاعون کے عذاب سے نجات کے لئے دعا فرما رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ الٰہی اگر یہ لوگ طاعون کے عذاب سے ہلاک ہو گئے تو پھر تیری عبادت کون کرے گا“۔ (سیرت طیبہ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد (۔) طبع اوّل صفحہ ۶۱۔۶۲)

پنڈت لیکھرام صاحب کے بارہ میں مندرجہ بالا روایت سن کر اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی یہ عبارت پڑھ کر ہمیشہ تعجب ہوتا ہے کہ آپ کو جھٹلانے والوں پر عذاب کا نزول ہوتا ہے اور عذاب بھی وہ کہ جو آپ کی صداقت کے اظہار کے لئے نازل ہوتا ہے اور ایک پیشگوئی کے نتیجے میں ظاہر ہوتا ہے اور اس عذاب کے ٹل جانے کے نتیجے میں جلد باز لوگوں کی نظر میں آپ کی صداقت بھی مشکوک ٹھہر سکتی ہے مگر پھر بھی آپ بندگانِ خدا کی ہلاکت اور ان کی تکلیف کے خیال

سے بے چین اور مضطرب ہو جاتے ہیں اور تڑپ اٹھتے ہیں اور بے تابانہ خدا کے حضور ان کو عذاب سے بچانے کی دعائیں کرتے ہیں!

جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے مسجد اقصیٰ قادیان میں ایک مینار کی بنیاد رکھی تو قادیان کے ہندوؤں نے گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کے پاس شکایت کی کہ اس مینار کی تعمیر روک دی جائے اس سے ہماری عورتوں کی بے پردگی ہوگی۔ ڈپٹی کمشنر نے یہ درخواست علاقہ مجسٹریٹ کے پاس چھان بین کے لئے بھجوا دی۔ یہ علاقہ مجسٹریٹ قادیان آئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملے اور اس موقعہ پر انہوں نے شکایت کرنے والے ہندو صاحبان کو بھی بلوا لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ان صاحبان کا یہ اعتراض درست نہیں ہے بے پردگی کا کوئی سوال نہیں پھر حضور نے لالہ بڈھامل صاحب کی طرف جو ہندوؤں کے ایک سربرآوردہ رہنما تھے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ لالہ بڈھامل صاحب بیٹھے ہیں آپ ان سے پوچھیں کہ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ میرے لئے ان کو فائدہ پہنچانے کا کوئی موقع پیدا ہوا ہو اور میں نے ان کی امداد میں دریغ کیا ہو۔ اور پھر ان سے یہ بھی پوچھیں کہ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ مجھے نقصان پہنچانے کا انہیں کوئی موقع ملا ہو اور یہ نقصان پہنچانے سے رکے ہوں''۔

(سیرت طیبہ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد (۔) طبع اوّل صفحہ ۷۰۔۷۲)

عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ اس وقت لالہ صاحب سر جھکائے سامنے بیٹھے تھے لیکن شرم اور ندامت کی وجہ سے جواب دینا تو درکنار ان کو یہ جرأت بھی نہ ہوئی کہ وہ آنکھ اٹھا کر دیکھ ہی لیتے۔

عفو و درگذر کا یہی خُلق ہے جس کی طرف ہمیں حضور بلاتے ہیں اور مخلوق خدا پر شفقت اور رحم کا یہی سلوک ہے جس کی ہمیں حضور تعلیم دیتے ہیں۔ حضور اپنے لئے اور اپنے غلاموں کے لئے یہی پسند فرماتے ہیں کہ اپنی ذات کے لئے کسی سے کوئی بدلہ نہ لو۔ کوئی اگر تمہارا قصور کرتا ہے تو اسے معاف کر دو اور اگر کوئی تمہیں دکھ بھی دیتا ہے تو اس کو بھی آرام پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دو۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے عہد بیعت کی دس شرائط میں سے دو شرائط میں حضور مخلوق خدا پر شفقت کے بارہ میں تاکید کرتے ہیں۔ چنانچہ شرط نمبر 4 میں فرماتے ہیں کہ ہر بیعت کرنے والا عہد کرے کہ:

''عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح''

پھر شرط نمبر 9 میں فرماتے ہیں:

''عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے گا''۔

یاد رہے کہ یہ وہ عہد ہے جو احمدیت میں داخل ہونے کے لئے حضور نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ مقرر فرمایا ہے

اوراس عہد کی پاسداری کے بغیر کوئی احمدی بھی سچا احمدی نہیں سمجھا جاسکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عفوودرگذر اور حضور کی غیرت اورحمیّت کے جو واقعات بیان ہوئے ان میں ہمارے لئے بہت سے سبق پوشیدہ ہیں۔اپنی ذات پر کئے گئے ہر قسم کے حملے آپ نے ہمیشہ نہ صرف برداشت کئے۔ان حملہ کرنے والوں کو نہ صرف یہ کہ ہمیشہ معاف ہی کرتے رہے بلکہ معافی سے بڑھ کر احسان کا سلوک کرتے رہے۔البتہ جب بات شعائر اللہ کی حرمت کی آتی تو حضور ایک ننگی تلوار بن جاتے تھے۔

یہ بڑی تکلیف کی بات ہے کہ ہم میں سے بہت ہیں جن کا طریق عمل حضور کے اس طریق کے بالکل الٹ ہوتا ہے۔ہم اپنی ذات پر حملہ کرنے والوں پر تو بری طرح برافروختہ ہوکر فوراً جس حد تک ہماری طاقت ہو بدلہ لینے پر تُل جاتے ہیں اور اگر بدلہ لینا ہماری طاقت سے باہر ہو تو کم از کم زبانی اپنا غصہ ضرور نکالتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو برا بھلا کہے اور گالیاں دیے بغیر ہمیں اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔اور جب مخالف کی طرف سے شعائر اللہ کی اہانت سنتے ہیں تو خاموش رہتے اور اس خاموشی کو حسن اخلاق کا تقاضا اور بلند حوصلگی اور رواداری گردانتے ہیں!

حضور ہم سے کیا چاہتے ہیں۔یا یوں کہنا چاہیے کہ خدا ہم سے کیا چاہتا ہے۔وہ یہ ہے کہ ذاتی نقصان پر صبر کریں۔اپنی ذات کو تکلیف پہنچانے والوں کے قصور معاف کردیں کوئی ہمیں گالی دے تو اسے دعا دیں۔لیکن اگر کوئی اللہ کے شعائر کی حرمت اور احترام کے خلاف بات کرتا ہے خلیفہ وقت،خلافت یا سلسلہ کے نظام کے خلاف زبان دراز کرتا ہے اور جماعت میں خلفشار پھیلانے کی کوشش کرتا ہے تو اپنی پوری طاقت اور پوری قوت اور پورے اخلاص کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں اور کسی بھی حالت میں مداہنت کا طریق اختیار نہ کریں۔

خدا کرے کہ ہم جو حضور کے غلام ہیں اور حضور کے مشن اور حضور کی جماعت کے لئے اپنی جانیں نچھاور کرنے کو سعادت سمجھتے ہیں حضور کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے والے بنیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقوش قدم پر چلتے ہوئے گالیوں کی جگہ دعائیں دینے والے ہوں اور باطل کے سامنے کبھی مداہنت یا کمزوری کا مظاہرہ نہ کریں کہ یہی وہ راستہ ہے جو امن وسلامتی کا راستہ ہے اور یہی وہ راہ ہے جو خیر اور بھلائی کی راہ ہے اور اسی پر قدم مارتے ہوئے ہم دونوں جہان میں فلاح پانے والے بن سکتے ہیں۔اللہ ہمیں اسکی توفیق بخشے کہ وہی ہے جو بدی سے بچنے اور نیکی اختیار کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

علم دوست قارئین سے قلمی معاونت کی درخواست ہے۔

نصاب امتحان سہ ماہی دوم (اپریل تا جون ۲۰۰۶ء)

1۔ترجمہ قرآن کریم پارہ نمبر3 (نصف آخر) 2۔کتاب ''برکات الدعاء'' (روحانی خزائن جلد6) ازحضرت مسیح موعود علیہ السلام
3۔ کتاب ''احمدیت یعنی.....'' (انوار العلوم جلد8) ازحضرت مصلح موعود (نصف آخر) (مرسلہ: قائد تعلیم مجلس انصاراللہ پاکستان)

دل کی لذّت

لذتیں بکھر رہی ہیں شش جہت میں ہر طرف
ذوق گر تجھ میں نہیں تو ان کا،انکاری نہ ہو
غور کر تیرے ہی اندر کوئی بیماری نہ ہو

ان گنت خوش کن نظاروں سے سجی ہے کائنات
گر نہیں نورِ بصارت تو یہ سب بے کار ہے
نغمگی ہے چار سُو کانوں کی لذت کے لیے
ہو نہ گر حُسنِ سماعت سُر بھی اک آزار ہے
لذتیں ہیں بے پناہ کام و دہن کے واسطے
فائدہ کیا ذائقے کی حِس اگر بیمار ہے
ریشمی نرمی ہو یا ہو کھردرا پن جو بھی ہو
حِس نہ گر پوروں میں ہو تو جاننا دُشوار ہے
لذتِ خوشبو گلاب و یاسمن کی کیا کہوں
سونگھنے کی حِس نہ ہو تو اس سے بھی انکار ہے

اس سے بڑھ کر ہیں خیال و فکر کی بھی لذتیں
عشق میں رُخسار ولب کے ذکر کی بھی لذتیں

اُلجھے عقدوں،گتھیوں کو کھولنے کی لذتیں
خامشی کی لذتیں اور بولنے کی لذتیں
قیصری کی لذتیں ہیں خسروی کی لذتیں
دوسری جانب ہیں عشق و دلبری کی لذتیں
مال و جاہ کی لذتیں ہیں افسری کی لذتیں
ظالموں کو ظلم میں غارت گری کی لذتیں
ایک اک حسن کے لیے بے شک جدا ہیں لذتیں
ریت کے ذروں سے بھی جگ میں سوا ہیں لذتیں
دل کی لذت ہے مگر اُس یار کی پہچان میں
اک سرورِ بیکراں دلدار کی پہچان میں
نور جس دل میں نہ ہو وہ جان سکتا ہی نہیں
بے نشاں محبوب کو وہ جان سکتا ہیں نہیں
عقل کے جلتے ہیں پر اُس کو سمجھ آتی نہیں
دل کی لذت ظاہری حِس میں سما پاتی نہیں
ذوق بن عرشی مگر ادراک ہوتا ہے کہاں
جس نے چکھا یہ مزہ راتوں کو سوتا ہے کہاں

محترمہ ارشاد عرشی **ملک** صاحبہ۔اسلام آباد

مکرم داؤد جان آف کابل

حالات و واقعات اور ان کے اہل خانہ پر مصائب کا بیان

(از: محترم ابراہیم جان صاحب)

عاجز راقم الحروف کا نام ابراہیم جان ہے- میں محترم داؤد جان کا بیٹا ہوں اور حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل حالات و واقعات میری والدہ محترمہ گل بی بی صاحبہ مرحومہ نے اپنی حیات میں خود مجھے زبانی سنائے تھے جو آج میں بیان کر رہا ہوں

حالات زندگی: داؤد جان صاحب (آف کابل) کا گاؤں ہاشم خیل تھا آپ کے والد کا نام میر اجان اور والدہ کا نام سید بانو تھا- داؤد جان صاحب کی بارھویں تک تعلیم تھی جو آپ نے اپنے ملک افغانستان میں ہی حاصل کی تھی- تعلیم سے فراغت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد داؤد جان صاحب کی شادی بی بی حُورا سے ہوگئی جو آپ کے چچا خان جان کی بیٹی تھی- شادی کے کچھ عرصہ بعد آپ کی بیوی حُورا کی وفات ہوگئی- بی بی حورا کی وفات کے بعد آپ نے احمدیت قبول کر لی اور اس طرح صداقت مسیح موعود کے علمبرداروں میں شامل ہوگئے- احمدیت کا قبول کرنا ہی تھا کہ مظالم نے آپ کا گھر دیکھ لیا اور صداقت کے راستہ میں سب سے بڑا پہاڑ آپ کے چچا (آپ کے سابقہ سُسر) تھے جو آپ کی جان کے دشمن بن گئے اور اپنی دشمنی کا برملا اظہار کرتے-

حصول تعلیم کے بعد آپ افغانستان کی فوج میں بطور صوبیدار ملازم ہوگئے آپ جلسہ سالانہ کے ایام میں اپنے فرائض منصبی سے رخصت لے کر ربوہ آیا کرتے تھے- جب افغانستان میں اس بات کا علم آپ کے افسران بالا کو ہوا تو انہوں نے آپ کو جلسہ سالانہ پر آنے سے منع کرنے کی ہر کوشش کی مگر آپ پھر بھی جلسہ کے ایام میں ربوہ آتے رہے- جب آپ نے محسوس کیا کہ دین یا دنیا کے دو راستوں میں سے صرف ایک راستہ کو اختیار کرنا ہوگا تو آپ نے دین کا راستہ اختیار کیا اور اپنی ملازمت کو خیر باد کہہ کر اپنے گاؤں ہاشم خیل میں ہی قیام پذیر ہوگئے- ایک مرتبہ میرے نانا جان محترم محمد شاہ صاحب میرے والد صاحب سے ملنے آئے اور میرے والد صاحب سے بہت ناراضگی کا اظہار کیا کہ آپ نے احمدیت کو قبول کر کے بہت بُرا کیا ہے میرے والد صاحب نے بڑی خندہ پیشانی سے اُن کے تمام اعتراضات کا جواب دیا اور دوران گفتگو میرے والد صاحب میرے نانا جان کو سمجھاتے بھی رہے- بعد ازاں میرے نانا نے میرے والد صاحب کی بعد از قبولیتِ احمدیت زندگی کا بغور جائزہ لینا شروع کیا اور اسی طرح کئی ماہ گزر گئے، میرے نانا جان نے احمدیت کی مخالفت ترک کر دی- میری والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ اگر محمد شاہ صاحب کی زندگی وفا کرتی تو وہ بھی آغوشِ احمدیت

میں آ چکے ہوتے -میرے والد صاحب اپنے گاؤں ہاشم خیل میں احمدیتِ کا پیغام پہنچاتے رہے اور آخر کار احمدیت کے ایک سخت مخالف نذیر احمد کو آغوش احمدیت میں لے آئے -

ایک بار میرے والد صاحب نے میری والدہ صاحبہ سے کہا کہ باری تعالیٰ نے مجھے ہر نعمت سے نوازا ہے اور میری ہر خواہش اور نیک تمنا کو محض اپنے فضل سے پورا کیا ہے مگر میں پھر بھی ایک بات کی تشنگی اور کمی محسوس کرتا ہوں- میری والدہ صاحبہ کے پوچھنے پر بتلایا کہ میں تو احمدیت کے نور سے منور ہو گیا ہوں اور کتنا ہی اچھا ہو کہ تم بھی احمدیت قبول کرلو-اس پر میری والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ آپ کے کہنے سے پہلے ہی میں نے اس صداقت کو قبول کیا ہوا ہے لیکن اس بات کا میں اظہار نہیں کر سکتی تھی لیکن آج جب آپ نے اظہار کیا ہے تو میں بھی اقرار کرتی ہوں کہ میں بھی احمدی ہوں اور میں نے بھی اس بہتے ہوئے نور کے دریا سے اپنے حصہ کا نور حاصل کیا ہے- اس کے بعد میرے والد صاحب کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا وہ خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے جیسے آج اُنہیں دینی اور دنیاوی تمام خوشیاں نصیب ہوگئی ہوں اور اُنہیں اطمینان قلب نصیب ہو گیا ہو-

زندگی کے دن گزرتے چلے گئے - ایک مرتبہ جبکہ جمعرات کا دن تھا دن کے گیارہ بجے ہوں گے کہ میرے والد صاحب نے میری والدہ صاحبہ سے کہا کہ مجھے آپ سے ایک مشورہ درکار ہے-میری والدہ صاحبہ نے کہا کہ کیسا مشورہ؟ اس پر میرے والد صاحب نے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کابل میں اپنی زمینیں فروخت کر کے پاکستان میں پاراچنار کے علاقہ میں زمینیں خرید لوں اور اپنے بچوں کو بھی ساتھ ہی لے جاؤں-

بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے بچی کی شادی کر دوں اور بچوں میں سے ایک کو کھیتی باڑی کے لئے اپنے پاس رکھوں دوسرے کو جامعہ احمدیہ میں تعلیم دلوا کر مربی بناؤں اور تیسرے کو پاک فوج میں بھرتی کروادوں - اس پر میری والدہ صاحبہ نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی - ابھی یہ سلسلہ گفتگو جاری تھا کہ دروازہ پر دستک ہوئی اور میرے والد صاحب دروازے کی طرف چلے گئے - دروازہ پر جا کر معلوم ہوا کہ دستک دینے والے سرکاری اہلکار تھے جو میرے والد صاحب کو گرفتار کرنے آئے تھے-سرکاری اہلکاروں نے میرے والد صاحب سے دریافت کیا کہ وہ جو اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ میرے والد صاحب نے جواب دیا کہ وہ احمدی میں ہی ہوں مگر سرکاری اہلکار نہ مانے- آخر کار اُس آدمی کے پاس گئے جس نے میرے والد صاحب کے خلاف رپورٹ کی تھی وہ آدمی خان جان تھا جو میرے والد صاحب کا سابقہ سُسر اور چچا تھا- خان جان نے آ کر بتلایا کہ یہی وہ آدمی ہے اسے گرفتار کرلو چنانچہ میرے والد صاحب نے سرکاری اہلکاروں کے لئے کچھ خورد ونوش کا بندوبست کیا -بعد ازاں جب میرے والد صاحب سرکاری اہل کاروں کے ہمراہ جانے لگے تو انہوں نے میری والدہ صاحبہ سے کہا کہ میرے خاندان والے بہت ظالم ہیں میں اللہ تعالیٰ سے اپنی اور آپ کی حفاظت کا طلب گار ہوں- خدا تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے اور ثبات قدم

نصیب فرماوے- اس دُعا کے بعد مزید کہا کہ آپ نے حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو دیکھا ہے یا اُن کے بارے میں سنا ہے تو میری والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ جی ہاں سُنا ضرور ہے کہ اُنہیں سنگسار کر کے..... کر دیا گیا تھا تب میرے والد صاحب نے میری والدہ صاحبہ سے کہا کہ اس قوم نے جو سلوک محترم صاحبزادہ صاحب کے ساتھ کیا تھا میرا راستہ بھی وہی ہے اور اب میرے ساتھ بھی وہی سلوک ہونے والا ہے-تم سب دُعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے صداقت پر قائم رکھے اور ثباتِ قدم نصیب ہو- یہ چند آخری کلمات تھے میری والدہ صاحبہ کے ساتھ اور پھر ایک دوسرے کو اللہ امان کہہ کر میرے والد صاحب سرکاری اہلکاروں کے ساتھ روانہ ہو گئے اور وہ لوگ میرے والد محترم کو گورنر کے روبرو لے آئے۔ اُس وقت گورنر کے پاس بہت سارے لوگ جمع تھے جن میں زیادہ تر علماء اور مشائخ تھے- گورنر کی اجازت سے اُن لوگوں نے میرے والد صاحب پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی- میرے والد صاحب نے باوجود تن تنہا ہونے کے پروقار رہتے ہوئے تمام سوالات کے جوابات دیئے-تمام سوالات مذہبی نوعیت کے تھے- بحث کے اختتام پر قاضی صاحب (جو کہ اُس وقت دربار میں قاضی کے فرائض انجام دے رہے تھے) نے فرمایا کہ داؤد جان کا عقیدہ بالکل درست ہے اور داؤد جان کا ایمان کامل ہے- مجھے داؤد جان کے ایمان پر ذرہ بھر بھی شک کی گنجائش نہیں نظر آئی اور میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے خدا اور رسول مقبول صلعم کے احکامات کو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ دیا ہے- اس پر تمام مولوی صاحبان مشتعل ہو گئے میرے والد صاحب کے چچا اور سابق سسر بھی آگ بگولہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ مجھے قاضی صاحب کا فیصلہ نامنظور ہے- میں داؤد جان کو واپس گاؤں لے جاؤں گا اور میں خود اسے ملک بدر کروں گا (میرے والد صاحب کے چچا گاؤں کے سردار بھی تھے) مگر گورنر نے خان جان کی مخالفت کی اور داؤد جان صاحب کو اُن کے حوالے نہیں کیا اور وقتی طور پر اس مشتعل ہجوم سے میرے والد کو بچانے کی خاطر گورنر نے والد بزرگوار کو جیل بھجوا دیا اور اس طرح وقتی اشتعال ٹل گیا-

خدا کی خاطر جان کی قربانی: میرے والد محترم شام گئے تک حوالات میں بند تھے- جمعرات کا دن تھا دن کے وقت انہوں نے کچھ آرام کیا- نیند سے بیداری پر حوالات کا ایک کارکن میرے والد صاحب کے لئے کھانا لایا تو میرے والد صاحب نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا- حوالات کے کارکن نے اصرار سے پوچھا کہ آپ نے کھانا کیوں نہیں کھانا؟ میرے والد صاحب نے جواب دیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک چارپائی ہے اس پر ایک سفید پھولدار خوبصورت چادر ہے اور میں اُس چارپائی پر لیٹا ہوا ہوں-معلوم نہیں کہ کتنی دیر میں اُس چارپائی پر سویا ہوں گا بعد ازاں میری آنکھ کھل گئی اور اس وجہ سے میری طبیعت پر کچھ بوجھ ہے اور کھانے کو دل نہیں چاہتا۔ کھانے سے انکار کے بعد میرے والد صاحب اور ایک دوسرے احمدی دوست سلیم صاحب (جو اُس وقت حوالات میں بند تھے) نے وضو کیا اور میرے والد صاحب نوافل کی ادائیگی کے لئے کھڑے ہو گئے- ابھی وہ رکوع ہی میں تھے کہ وہاں پر موجود مولویوں نے جو کافی تعداد میں تھے حوالات کو توڑ کر اور بعض مولوی حضرات سرکاری ملازمین کو زخمی کر کے میرے والد صاحب تک پہنچے اور

نماز ہی کی حالت میں میرے والد صاحب پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد اُن مولویوں نے میرے والد صاحب کو کوٹھڑی کی سلاخوں کے ساتھ کھڑا کیا اور کہا کہ اب بھی وقت ہے توبہ کر لو مگر میرے والد صاحب نے جواب دیا کہ میں نے صداقت حضرت مسیح موعودؑ کی پہچان کر لی ہے اور صداقت کو قبول کر لیا ہے میں نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ حق ہے اور اس صداقت کے لئے اگر مجھے جان کی قربانی بھی دینا پڑی تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں ہر قربانی کے لئے تیار ہوں۔ اس کے بعد مولویوں نے میرے والد صاحب کو حوالات سے باہر نکالا اور سرِ عام اُنہیں زمین پر الٹا لٹا دیا اور پھر وہی سوال کیا کہ اب بھی وقت ہے انکار کر لو لیکن میرے والد صاحب تو احمدیت پر قربان ہونے کے لئے تیار تھے اس لئے پھر انکار کر دیا اس پر مولویوں میں سے کچھ مولوی مشتعل ہو کر آگے بڑھے میرے والد صاحب کو ہاتھوں پیروں سے پکڑ کر تین چار بار اوندھے منہ زمین پر زور زور سے پٹخا مگر میرے والد صاحب ہر بار ضرب لگنے کے بعد پہلے سے زیادہ پختہ یقین سے وہی جواب دیتے جو پہلے دیا تھا کہ صداقت کو پہچان کر اب انکار کرنا ناممکن ہے۔ میرے والد صاحب کے مسلسل اس جواب کو سُن کر لوگ مشتعل ہو گئے اور انسانی قدروں کو برملا پامال کرتے رہے۔ پہلے تو مشتعل ہجوم نے پتھراؤ کیا اور پھر بعض جن کے پاس اسلحہ تھا اُنہوں نے بندوقیں داغ دیں اور اس طرح میرے والد صاحب نے اپنی جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

بعد ازاں وہاں کے حاکم کے حکم سے اُن کی بیڑیاں اور ہتھکڑی کھولی گئی تو لوگوں نے دوبارہ سنگباری کی اور گولیاں داغیں اس پر بھی صبر نہ آیا تو بعض نے اُن کے جسم پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی مگر خدا تعالیٰ کی شان کہ آپ کے جسم کو آگ نے نہیں چھوا بلکہ آپ کے اردگرد جو تیل زمین پر گر گیا تھا وہاں آگ لگ گئی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے اس نشان کو دیکھ کر بھی عقل کے اندھوں نے فائدہ نہ اُٹھایا بلکہ الٹا یہ کہنا شروع کر دیا کہ داؤد جان کفر کی اس حد تک جا پہنچا تھا کہ اب آگ بھی اسے قبول نہیں کرتی۔

میت کی آمد: میرے والد محترم کی اس ''قربانی'' کے وقت بعض لوگ ہمارے لئے ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے بھی تھے اُنہی میں سے ایک جا کر گاؤں سے چارپائی لے آیا اور مجمع میں موجود ہمدردوں میں سے ایک ہمدرد ہمارا ہمسایہ میرا گل نامی بھی تھا۔ سب نے مل کر میرے والد صاحب ..... کی میت کو چارپائی پر ڈالا اور میت کو اٹھا کر گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ کے دونوں اطراف گاؤں کے لوگ جمع تھے اور سخت پہرہ میں والد محترم کی میت کو گاؤں لایا گیا۔ ہمارا گاؤں جائے ''قربانی'' سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔

میری والدہ صاحبہ نے مزید بتایا کہ جب مرحوم کی میت کو گاؤں کی طرف لایا جا رہا تھا تو راستہ میں بھی لوگوں کی آپس میں بحث ہوئی اور میت کو گاؤں کے باہر ہی رکھ دیا گیا اور ہمارے ہمسائے میرا گل نے گاؤں گھر آ کر میری والدہ صاحبہ کو اطلاع دی کہ آ کر اُن کا دیدار کر لیں۔ میری والدہ صاحبہ نے آ کر اپنے شوہر کا آخری دیدار کیا۔ اُنہوں نے بتایا کہ اُن کے چہرہ کے سوا باقی تمام جسم زخموں سے چور تھا دیدار کے ساتھ میری والدہ بے ہوش ہو گئیں اور اُنہیں گھر پہنچا دیا گیا۔

واقعہ تدفین: آخری دیدار کے بعد بغرضِ تدفین میت کو اٹھایا گیا تا کہ جو قبر میت کیلئے تیار کی گئی تھی وہاں دفن کر دیا جائے۔ یہ قبر گاؤں والوں کے قبرستان سے ملحق کچھ فاصلہ پر تھی گاؤں کا قبرستان بھی پہاڑی نما جگہ پر واقع ہے جب میت کو دفن کرنے لگے تو آپ کے شدید ترین دشمن چچا خان جان نے مداخلت کی اور ان کی مزاحمت کی وجہ سے میت کو اُس تیار قبر میں نہیں دفن کیا جا سکا بعد ازاں ایک اور قبر پہلی قبر سے مزید بیس میٹر کے فاصلہ پر بنائی گئی مگر خان جان نے دوبارہ مزاحمت کی تو لوگوں نے اس دوسری قبر میں بھی میرے والد صاحب کو دفن نہیں کیا۔ اب ایک اور تیسری قبر اس قبرستان سے دور تقریباً آدھ میل کے فاصلہ پر تیار کی گئی اور جب خان جان کو علم ہوا تو وہ وہاں بھی آن پہنچا اور اس تیسری قبر میں بھی میت کو دفن کرنے سے منع کیا مگر گاؤں کے لوگوں نے خان جان کی مخالفت کی اور حکم عدولی کی اور میت کو اس تیسری قبر میں آخر کار دفنا دیا گیا اور یہ تیسری قبر میرے والد بزرگوار کی آخری آرام گاہ بنی۔ والد صاحب کو دفنانے کے بعد گاؤں والوں کا خیال تھا کہ خان جان ذاتی دشمنی کی بناء پر شاید میت کی بے حرمتی کرے گا اس خیال سے گاؤں کے لوگوں نے باری باری تین چار دن رات میرے والد صاحب کی قبر پر پہرہ دیا۔ یہ تمام واقعہ میرا اگل صاحب نے جو کہ ہمارے ہمسائے تھے اور اس ساری کارگزری کے عینی شاہد تھے ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد میری والدہ صاحبہ کو سنایا۔

تدفین کے بعد اہل خانہ کے حالات: ایک طرف میرے والد صاحب کی تدفین ہو رہی تھی اور دوسری طرف خان جان اور اس کے بڑے بھائی لقمان جان کے بیٹے نادر خان میں یہ صلاح ومشورہ ہو رہا تھا کہ اس غمزدہ گھرانے کو مزید کس طرح تباہ وبرباد کر دیا جائے اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے خان جان میرے والد صاحب کی تدفین کے دوران ہمارے گھر کا صفایا کر رہا تھا۔ گھر پر جو کچھ موجود تھا وہ سب کچھ اٹھوا کر اپنے گھر لے گیا اور میری والدہ صاحبہ کی غیر حاضری میں تمام جانور، غلہ نقدی زیور برتن غرض سب کچھ لے گیا اور ہم سب پسماندگان کو بے یار ومددگار چھوڑ گیا۔ والد صاحب کی تدفین کے بعد میری والدہ صاحبہ گھر پہنچیں تو ہمارا سب سے چھوٹا بھائی رو رو کر نڈھال زمین پر پڑا تھا گھر کا صفایا تو ہو ہی گیا تھا مگر اب خان جان اور نادر جان کی آنکھوں میں مرحوم کا گھرانہ کھٹک رہا تھا۔ اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا گیا کہ مرحوم کی آدھی زمین، بیوہ، بیٹی امینہ اور سب سے چھوٹا بیٹا گل جان خان جان کے حصہ میں آئے اور بقیہ آدھی زمین اور مرحوم کے دو بیٹے غازی جان اور راقم الحروف ابراہیم جان خان جان کے بھتیجے نادر جان کے حصہ میں آئے اور اس طرح اس آباد گھرانے پر قیامت ٹوٹی اور بندر بانٹ ہوئی۔

اہل خانہ کی گزر اوقات: ان تمام تکالیف کا سامنا کرنے کے بعد جب پیٹ نے تنگ کیا اور کھانے کو کچھ میسر نہ آیا تو میری والدہ صاحبہ وہاں کے حاکم کے پاس یہ فریاد لے کر گئیں کہ مرحوم کے ساتھ جو سلوک بھی آپ لوگوں نے کیا اس کا بدلہ تو خدا تعالیٰ دے گا مگر مرحوم کی جائیداد ہی کم از کم واپس دلوا دی جائے تا اُس زمین پر کاشت کروا کر میں بچوں کا پیٹ

پال سکوں مگر ساری روداد سننے کے بعد حاکم وقت نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارے خاوند نے اچھے گھرانے کا فرد ہوتے ہوئے احمدیت کو قبول کیا اور کفر اختیار کیا اور میری ناک کٹوائی اس لئے میں تمہاری مدد کرنے سے قاصر ہوں بلکہ جو کچھ بھی ہوا ہے یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب میرے علم میں ہے اور میرے ہی کہنے پر ہوا ہے۔ اس جواب کو سُن کر میری والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ میں بھی اُس جانباز کی بیوہ ہوں۔ اگر صداقت کو قبول کرنے سے تم لوگوں کی ناک کٹتی ہے تو اب باقی رہی سہی ناک میں کٹواؤں گی کیونکہ وہی صداقت میں نے بھی قبول کی ہوئی ہے۔ یہ جواب دے کر میری والدہ صاحبہ واپس خان جان کے گھر آ گئیں اور جو بھی تکالیف یا مصائب تقدیر کی طرف سے لکھے تھے اُن کا جوانمردی سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئیں۔

''قربانی'' کے بعد لوگوں میں ہلچل: میری والدہ صاحبہ نے اپنی ایک بہن ثنا نامی عورت کا بھی مجھ سے ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ ثنا کے خاوند کا نام صفت خان تھا جو کہ ایک وکیل تھا اور سکندر خیل گاؤں میں رہتا تھا۔ سکندر خیل گاؤں کے امام میرے والد کی وفات کے ایک یا دو روز بعد گھر سے باہر نکلے اور گاؤں کے مرکزی حجرہ (ڈیرہ) میں گئے تو بہت زیادہ پریشان تھے۔ حجرہ میں موجود لوگوں کے استفسار پر مولوی صاحب نے لوگوں کو جواب دیا کہ اب میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ وہاں موجود لوگوں نے مولوی صاحب سے کہا کہ اس جواب کو ذرا تفصیل سے واضح طور پر بیان فرمائیں تو مولوی صاحب نے کہا کہ ''میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ صبح کا وقت ہے اور میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہوں کہ اچانک داؤد جان وہاں آتا ہے مجھ سے قرآن پاک لے لیتا ہے اُسے بند کر کے الماری میں رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن کریم سے تمہارا کیا کام؟ تمہارے لئے تو میرے مولا نے سزا مقرر کر رکھی ہے۔ وہ ایک رسی لیتا ہے اور میرے پاؤں اُس رسی سے باندھ دیتا ہے اور مجھے اُس رسی کے ذریعہ چھت کے ساتھ الٹا لٹکا دیتا ہے اور اسی لٹکتی ہوئی حالت میں مجھے چھوڑ کر کمرہ بند کر کے باہر نکل جاتا ہے۔'' بس یہی وجہ ہے کہ میں نے یہ جواب دیا تھا کہ اب میرا کیا بنے گا اور میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔ یہ سارا ماجرا سکندر خیل گاؤں میں ہوا تھا اور میری خالہ ثنا صاحبہ نے میری والدہ صاحبہ سے ملاقات کے موقع پر بیان کیا تھا۔

اس طرح ایک اور واقعہ میری والدہ صاحبہ نے مجھے بتایا کہ ''میرے ہمسائے میر اگل نے بتایا کہ داؤد جان کی وفات کے تقریباً ایک ہفتے کے بعد ہمارے گاؤں ہاشم خیل کے ایک آدمی مشریم خان گاؤں کی ''بیت الذکر'' میں آیا اور بہت ہی غصہ کی حالت میں تھا اور آتے ہی وہ لوگوں سے مخاطب ہوا کہ ہم لوگ بہت ہی کم عقل اور بیوقوف ہیں اور ہم نے بغیر تحقیق کیئے داؤد جان پر ناروا ظلم کیا ہے اور شریف النفس انسان کو تکلیف دینے میں عجلت سے کام لیا ہے اور لوگوں کو اس بات کی تفصیل بتلاتے ہوئے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ''داؤد جان بہت ہی اچھے عمدہ اور خوب صورت لباس میں ملبوس ہے اور چہرہ پر طمانیت اور خوبصورتی ہے۔'' اگر داؤد جان حق پر نہیں تھا تو مجھے خواب میں ایسا نظارہ کیوں دکھلایا گیا۔

ایک اور آسمانی نشان کا ذکر کرتے ہوئے میری والدہ صاحبہ نے بتلایا کہ میرے والد صاحب کی خدا کی راہ میں قربانی کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد ہمارے گاؤں میں ایک شدید زلزلہ آیا اور وقفے وقفے سے شدید جھٹکے لگے اور بہت سارے مکانات منہدم ہو گئے اور بہت ساری اموات بھی ہوئیں اُس وقت وہاں کے لوگوں نے بآواز بلند اس بات کا اقرار کیا کہ ہم نے داؤد جان پر ظلم کیا ہے اس وجہ سے آج اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہیں اور یہ زلزلہ تقریباً تین دن مختلف اوقات میں آتا رہا۔

ان تمام حالات وواقعات کے دوران میری والدہ صاحبہ خان جان کے گھر پر رہیں اور ہم سب بہن بھائی بھی اُن کی اور اُن کے اہل وعیال کی خدمت پر مامور تھے اور اسی طرح زندگی کے دن گزرتے رہے۔ ایک دن خان جان اور ان کی بیوی ''بابکہ'' نے ہم سب کو پہاڑی سے لکڑیاں کاٹ کر لانے کو کہا اور ہم سب نے اُن کے حکم کے مطابق کام کیا جو بھی لکڑیاں لے آتا تو بابکہ واپسی پر اُسے گوبر سے بھری ٹوکری اٹھوا دیتی کہ جاؤ اسے زمینوں پر لے جاؤ اور وہاں سے واپسی پر جانوروں کے لئے چارہ لاؤ اور بار بار کہہ رہی تھی کہ جلدی جلدی کرو۔ ہم سب اپنی اپنی استعدادوں کے مطابق اُن کی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ میری والدہ صاحبہ نے بتلایا کہ ایک مرتبہ میں زمینوں سے واپسی پر جانوروں کے لئے چارہ تھوڑا لے کر آئی تھی تو بابکہ نے کہا کہ چارہ تھوڑا کیوں لائی ہو؟ تو میری والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ جو بھی کھیتوں سے چارہ مجھے ملا میں لے آئی زیادہ کہاں سے لاتی۔ یہ جواب سن کر تو بابکہ آگ بگولہ ہو گئی اور میری والدہ صاحبہ کو مارنا شروع کر دیا اور بہت مارا۔ میری والدہ صاحبہ کی بیکسی اور بے بسی میری بہن امینہ سے نہ دیکھی گئی اور اُس نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ اس چلانے کی آواز کو سن کر گاؤں کی دوسری عورتیں وہاں آ گئیں اور اُنہوں نے آ کر والدہ صاحبہ کی جان بچائی۔ اس تمام روئیداد کو سنانے کے لئے اور اپنی بے بسی اور بیکسی کو بیان کرنے کے لئے میری والدہ صاحبہ اپنے ہی گاؤں میں اپنے ایک رشتہ دار شین گل کے گھر گئیں۔ اُس نے ساری گفتگو سن کر کہا خان جان اور اس کی بیوی بابکہ نے زامونامی شخص کے ہاتھ تم ماں بیٹی کا سودا کر دیا ہے وہ کسی بھی وقت آ کر تمہیں لے جائے گا۔ پس اگر اپنی اور بچی کی عزت بچا سکتی ہو تو آج رات ہی یہاں سے چلی جاؤ میری والدہ کے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے انہوں نے شین گل کو جواب دیا کہ میں تو اپنی اور اپنی بیٹی کی عزت کو بچانے کے لئے اور اپنی دوسری اولاد کو بچانے کے لئے ہر قدم اٹھالوں گی لیکن میرے اس انتہائی اور آخری عمل کی اطلاع تم خود ہی خان جان کو کر دو گے اور تم بھی میرے دشمن بن جاؤ گے اور اگر یہ اطلاع خان جان کو ہو گئی تو ہم سب کی زندگی اجیرن بن جائے گی۔ اس پر شین گل نے جواب دیا کہ میں تو آپ سب کی مدد کرنا چاہتا ہوں اور ہر قسم کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں اور اُس نے مزید کہا کہ میں خان جان کو کسی قسم کی اطلاع نہیں کروں گا۔

شین گل کی یقین دہانی کے بعد میری والدہ صاحبہ نے کہا کہ جس طرح تم نے خان جان کے ارادے سے مجھے مطلع کیا ہے ہوسکتا ہے کہ تم میرے پروگرام کے بارہ میں خان جان کو بھی مطلع کر دو۔ شین گل کی بار بار یقین دہانی کے بعد میری والدہ صاحبہ کا کچھ حوصلہ بڑھا اور اس ساری گفتگو کے بعد میری والدہ صاحبہ اب اس موقع کے انتظار میں تھیں کہ

جب وہ خان جان کے گھر سے راہ فرار اختیار کریں کہ اس دوران خان جان کی پہلی بیوی کبیرہ سے ایک بیٹی بنام بس بی بی سے میری والدہ صاحبہ کی ملاقات ہوگئی۔ بس بی بی کے خاوند کا نام حاجی اقبال جان تھا۔ بس بی بی نے میری والدہ صاحبہ سے کہا کہ میرے والد بہت سخت آدمی ہیں اور آپ کے لئے اُن کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ دوران گفتگو حاجی اقبال جان بھی میری والدہ صاحبہ سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگا اور اپنی طرف سے مکمل مدد اور تعاون کا یقین دلایا۔ ان دونوں احباب یعنی شین گل اور حاجی اقبال جان کی طرف سے مدد کی یقین دہانی کے بعد میری والدہ صاحبہ نے دل پر پتھر رکھ کر اپنے وطن اور اپنی اولاد کو خیرباد کہنے کی ٹھان لی مگر باوجود مصمم ارادہ کے میری والدہ صاحبہ کو اولاد کا غم کھائے جا رہا تھا۔ آخر اُن سے نہ رہا گیا اور میری والدہ صاحبہ نے حاجی اقبال جان اور شین گل سے اپنی نرینہ اولاد جن کو وہ افغانستان میں چھوڑنے پر تیار ہوگئی تھیں کی گزراوقات اور مستقبل کے بارے میں پوچھا اور استفسار کیا کہ میرے چلے جانے کے بعد میری بقیہ اولاد کا کیا ہوگا؟ اس پر دونوں نے یک زبان ہوکر کہا کہ آپ کی اولاد کا خدا تعالیٰ کے بعد ہم خیال رکھنے والے ہوں گے اور ہماری پوری کوشش ہوگی کہ جلد سے جلدتر آپ کے بعد آپ کی بقیہ اولاد کو بھی پاکستان بھجوا دیں۔ شین گل اور حاجی اقبال کی اس یقین دہانی کے بعد میری والدہ صاحبہ اللہ تعالیٰ کے آسرے پر اپنی محبوب ترین نرینہ اولاد کو افغانستان میں اپنے گاؤں کے درندہ نما انسانوں کے سپرد کرکے اپنے عزیز و اقارب، اپنا سب مال ومتاع، اپنا گھربار چھوڑ کر ایک نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہوگئیں تاکہ اپنی اور اپنی بیٹی کی عزت بچا سکیں۔

افغانستان سے روانگی کا سفر: والدہ صاحبہ شین گل کے گھر سے واپس خان جان کے گھر چلی گئیں۔ وہاں جاتے ہی بابکہ نے مزید کام میری بہن اور والدہ صاحبہ کے لئے رکھا ہوا تھا۔ جاتے ہی گوبر بھری ٹوکری پھر والدہ صاحبہ اور بہن کو اٹھوا دیں انہوں نے گوبر بھری ٹوکریاں سروں پر اٹھالیں اور کھیتوں کی طرف روانہ ہوگئیں۔ کھیتوں میں جاتے ہی اُنہوں نے گوبر بھری ٹوکریوں کو زمین پر پھینکا اور بوقت عصر ایک نامعلوم مقام، نامعلوم منزل اور نامعلوم سمت کی طرف روانہ ہونے لگیں اُس وقت اُن کے پاس ایک عدد قینچی، ایک عدد میرے..... والد صاحب کی تصویر اور ایک دینی کتاب تھی ابھی شام ہونے کو تھی اور میری والدہ صاحبہ اور بہن ابھی ایک قریبی پہاڑی جنگل تک ہی گئی ہوں گی کہ انہیں گاؤں کی طرف سے بہت سے لوگ اپنی طرف آتے نظر آئے میری والدہ صاحبہ نے محسوس کرلیا کہ یہ اپنے ہی گاؤں کے لوگ ہیں اور ہماری غیر حاضری کا گاؤں کے لوگوں کو علم ہوگیا ہے اور اب یہ لوگ ہماری تلاش میں ادھر آ رہے ہیں۔ اس لئے میری والدہ صاحبہ نے جنگل کے درختوں کے پتوں میں میری بہن کو اور خود کو چھپالیا۔ گاؤں کے لوگ ان کے قریب سے گزر گئے۔ میری والدہ اور میری بہن گاؤں کے لوگوں کی باتیں سن رہی تھیں۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے بڑے جنگل میں وہ اکیلی نہیں آ سکتیں۔ وہ گاؤں کے قریب ہی کسی دوسرے گاؤں میں چھپ گئی ہوں گی یہی گفتگو کرتے ہوئے وہ واپس گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔ یہ وہ پہلی رات تھی جو میری والدہ صاحبہ اور بہن نے جنگلی درختوں کے پتوں میں اپنے آپ

کو چھپا کر گزاری اور صبح اذان سے قبل ہی وہاں سے مزید سفر کے لئے چل پڑیں- راستہ میں ایک جگہ دریا آڑے آیا اور میری والدہ صاحبہ اللہ اکبر کہہ کر میری بہن کو کندھوں پر بٹھا کر دریا عبور کرنے کے لئے دریا میں داخل ہوگئیں- دریا میں طغیانی تھی اور عبور کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا مگر عزت پیاری تھی اور اپنی اور اپنی بیٹی کی عزت بچانے کے لئے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا پڑیں راستہ بڑا کٹھن اور سفر بہت طویل- افغانستان سے کسی نامعلوم مقام کی طرف پیدل سفر کرتے ہوئے راستہ میں دوسری رات بھی آئی اور جو اُنہوں نے دعائیں کرتے گزاری اور سحری کے وقت مزید سفر کے لئے کمربستہ ہوگئیں- سردی کا موسم تھا شدت کی سردی تھی اس پر مزید یہ کہ جسم پر لباس نامکمل اور ننگے پاؤں ہر تکلیف کا میری والدہ صاحبہ اور بہن نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا- سفر کے دوران ایک تیسری رات بھی آئی - رات سے قبل ابھی جب کہ کچھ کچھ روشنی تھی میری والدہ صاحبہ کو ایک مزار نظر آیا - والدہ صاحبہ نے اسی مزار پر ہی رات گزارنے کی ٹھان لی- میری بہن نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ مزار پر رات گزارنے سے مجھے ڈر لگتا ہے والدہ صاحبہ نے کہا کہ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور سمجھاتے ہوئے کہا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا- ڈرنے کی کوئی بات نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس دلاسے کے بعد میری بہن کا خوف بھی جاتا رہا اور اس طرح سفر کے دوران آنے والی یہ رات مزار پر گزاری- رات کو والدہ صاحبہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت لمبے چوڑے وجیہہ صورت انسان، سفید رنگ کی داڑھی اور سفید ہی پگڑی باندھے کھڑے ہیں اور میری والدہ صاحبہ سے پوچھتے ہیں کہ بیٹی کہاں جارہی ہو؟ اور کہاں کا ارادہ ہے؟ میری والدہ صاحبہ نے جواب دیا کہ بابا جی میری منزل کا ابھی تک کوئی علم نہیں- میں ایک غیر معلوم منزل کی طرف جارہی ہوں۔ ایک نامعلوم منزل ہے اور ہم دونوں سفر کررہی ہیں- اس پر اُس بزرگ نے کہا جہاں تم جارہی ہو وہاں دونوں کو اللہ خیر و عافیت سے پہنچا دے گا فکر کرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے- اُس بزرگ نے مزید کہا کہ صبح یہاں مزار سے روانہ ہوتے وقت دو چادریں بھی ساتھ لے لینا تا کہ اُن چادروں میں تم اپنے آپ کو اور اپنی بیٹی کو چھپا سکو- اس کے بعد میری والدہ صاحبہ کی آنکھ کھل گئی - صبح سحری کے وقت مزار سے روانگی سے قبل میری والدہ صاحبہ نے مزار سے صرف ایک چادر اٹھالی اور اُسے میری بہن کے سر پر اس طریقہ سے باندھا کہ میری بہن لڑکی کی بجائے اُس پگڑی کی وجہ سے لڑکا نظر آئے اور اس کے بعد اس مزار سے مزید سفر کے لئے روانہ ہوگئیں-

والدہ صاحبہ کی پاکستان میں آمد: تیسری رات مزار پر گزارنے کے بعد ابھی سحری کے وقت تھوڑا ہی سفر کیا ہوگا کہ افغانستان اور پاکستان کی سرحد آ گئی اور پاکستانی سرحد کے اندر میری والدہ صاحبہ اور بہن امینہ ایک احمدی دوست کے گھر پہنچ گئیں اور صبح کا ناشتہ بھی وہیں کیا اور اس دوران میری والدہ صاحبہ اور بہن نے سفر کے تمام حالات سے اُنہیں باخبر کیا- ایک احمدی گھر پر آجانے سے اُن کی زیادہ تر پریشانی ختم ہوگئی - میری والدہ صاحبہ اور بہن ایک دن اور رات وہیں گزارنے کے بعد دوسرے دن اُن کے گھر سے پاراچنار ایک ڈاکٹر صاحب کے گھر آ گئیں اور ڈاکٹر صاحب کو تمام حالات و واقعات

سے باخبر کیا- چند دن ڈاکٹر صاحب نے پاراچنار میں ایک ڈاک بنگلہ پر ایک احمدی صوفی غلام محمد صاحب کے ساتھ میری والدہ صاحبہ اور بہن کے لئے رہائش کا بندوبست کر دیا-مکرم صوفی غلام محمد صاحب ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے میری والدہ صاحبہ اور میری بہن اس ڈاک بنگلہ میں محترم صوفی غلام محمد صاحب کے پاس تقریباً نو ماہ رہیں-بعد ازاں صوفی غلام محمد صاحب کی ترقی ہوگئی اور ترقی کے ساتھ ہی ان کا تبادلہ بنوں ہوگیا- ان کے تبادلہ کے ساتھ ہی میری والدہ صاحبہ اور بہن بھی بنوں آ گئیں کیوں کہ اُن کے پاس سر چھپانے کی کوئی اور جگہ نہیں تھی-بنوں میں چار ماہ قیام کیا- چار ماہ کے بعد مکرم صوفی غلام محمد صاحب میری والدہ کو لے کر ربوہ آ گئے اور ربوہ آ کر وہ چاچی حفیظہ صاحبہ زوجہ مرزا محمد حسین صاحب (المعروف چٹھی مسیح) کے گھر آئے اور کچھ عرصہ چاچی حفیظہ صاحبہ کے گھر پر گزارنے کے بعد میری والدہ صاحبہ اور بہن امینہ مکرم جناب صاحبزادہ محمد طیب صاحب مظلہ دارالصدر شمالی کے گھر چلی گئیں-تقریباً دو ماہ وہاں قیام کے بعد محترم صاحبزادہ کی بیگم صاحبہ میری والدہ صاحبہ اور بہن کو قصر خلافت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حرم خانہ سے ملاقات کے لئے لے کر آئیں حضور پُرنور سے ملاقات ہوئی -دوران گفتگو چھوٹی آپا صاحبہ نے میری والدہ صاحبہ کو مشورہ دیا کہ ابھی تم جوان ہو-بقیہ زندگی کو احسن رنگ میں گزارنے کے لئے دوسری شادی کر لو-میری والدہ صاحبہ نے چھوٹی آپا صاحبہ کو جواب دیا کہ میری اولاد افغانستان میں ہے-دوسری شادی تو میں کر لوں مگر ہوسکتا ہے میری نرینہ اولاد اس کی مخالفت کرے-اس لئے جب تک میرے بیٹے افغانستان سے پاکستان نہیں آ جاتے میں دوسری شادی کے بارے میں سوچ نہیں سکتی بعد ازاں محترمہ چھوٹی آپا نے میری والدہ صاحبہ اور بہن کو لجنہ اماء اللہ کی بیرکوں میں رہنے کو جگہ دلوا دی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ماہانہ گزارہ کے لئے متعلقہ دفتر کو ہدایت فرمائی کہ میری والدہ صاحبہ اور بہن کو ماہانہ امداد کے طور پر -/5 روپے فی کس ادا کیا جائے اور لنگر خانہ حضرت مسیح موعود سے دو وقت کا کھانا بھی بیرکوں میں پہنچایا جاوے-میری والدہ صاحبہ اور بہن اس تنگدستی کی حالت میں بھی اخلاص سے بھری ہوئی تھیں چنانچہ انہی ایام میں وہ وصیت کے نظام میں شامل ہوگئیں اور مرکز سے -/5 روپے فی کس بطور امداد ملتے تھے وہ میری والدہ اور بہن نے اپنی اپنی وصیت کا چندہ دینا شروع کر دیا-امداد کی رقم دفتر سے وصول کر کے وصیت میں ادا کر دیا کرتی تھیں- اور کھانا تو لنگر خانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آ ہی جاتا تھا-

اس طرح میری والدہ صاحبہ اور بہن کا ربوہ میں وقت بسر ہوا اور بیرکوں میں رہنے کے دوران میری والدہ صاحبہ نے میرے..... والد صاحب کی خواہش کے مطابق میری بہن امینہ کو سکول میں بھی داخل کروا دیا مکرم سید میر داؤد احمد صاحب میری ہمشیرہ کے متکفل ہو گئے اور میری ہمشیرہ کی پڑھائی کا سارا خرچہ اُنہوں نے اپنے ذمہ لے لیا-

اس کے بعد بڑے بھائی غازی جان افغانستان سے ربوہ آ گئے-میرے بڑے بھائی غازی جان کب آئے؟ اور کیسے آئے؟ وہاں افغانستان میں ان کے ساتھ کیا بیتی ؟ اس بارہ میں میری والدہ صاحبہ نے کچھ مجھے نہیں بتایا اور نہ ہی اس بارے میں میری میرے بڑے بھائی سے کبھی گفتگو ہوئی اس لئے اُن کے بارے میں بھی کچھ لکھنے سے قاصر ہوں

لیکن جو کچھ میری والدہ صاحبہ نے بتلایا اُس سے احباب کو آگاہ کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ جب میرے بڑے بھائی غازی جان ربوہ آ گئے تو انہوں نے ربوہ آ کر پڑھائی شروع کی اور گزربسر کے لئے ریڈیو اور گھڑیوں کی معمولی مرمت بھی کرتے تھے اسی دوران ربوہ میں بیرکوں کو گرانے کا حکم ہوا۔ ہم لوگوں کو بھی بیرک خالی کرنے کا حکم ہوا۔ اس لئے میری والدہ صاحبہ، میری بہن اور میرا بڑا بھائی بھی بیرکوں کو خالی کر کے محلّہ دارالصدر چلے گئے اور وہاں ایک گھر کرایہ پر لے لیا آج کل وہ محلّہ دارالصدر حلقہ قمر کے نام سے موسوم ہے بعد ازاں ہم لوگ محلّہ دارالصدر شمالی میں ایک مکان میں شفٹ ہو گئے۔ یہ گھر مکرم ڈاکٹر بدرالدین صاحب کا تھا۔ ہم لوگ اس کرایہ کے مکان میں تقریباً آٹھ سال رہے اور بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے ذاتی گھر سے نوازا جو کہ محلّہ دارالصدر غربی میں بیت لطیف کے قریب واقع ہے۔

جب ہم مکرم ڈاکٹر بدرالدین صاحب کے گھر پر رہ رہے تھے تو اُس وقت حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے میری بہن امینہ کی شادی کروائی تھی جو بعد ازاں اپنے خاوند کے ساتھ ملک پاکستان سے باہر چلی گئی اور ابھی بھی وہ پاکستان سے باہر اپنے خاوند کے پاس رہ رہی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور پُرنور کی دعاؤں کے طفیل ہم نے دارالصدر غربی میں اپنا گھر لے لیا اور تادمِ تحریر ہم اس گھر میں مقیم ہیں۔

والدہ کے آنے کے بعد ہم پر کیا گزری: محترمہ والدہ صاحبہ اور بہن کے پاکستان چلے آنے کے بعد مجھ پر خان جان اور اُن کے گھر والوں نے اڑھائی سال کی عمر میں ہی ظلم کرنا شروع کر دیئے۔ والد صاحب کی شہادت کے وقت جب ہمارے گھر کے افراد کا خان جان اور نادر خان کے مابین بٹوارا ہوا تھا تو میں نادر خان کے گھر نہیں گیا بلکہ میں اور میرا چھوٹا بھائی گل جان خان جان کے ہی گھر پر تھے اور غازی جان ہمارا بڑا بھائی کہاں تھا۔ اس کا ہمیں کچھ علم نہیں اور میرا اغلب خیال یہی ہے کہ وہ اکیلا ہی نادر خان کے گھر پر تھا۔ جب تک میں افغانستان میں تھا میری اپنے بڑے بھائی غازی جان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی میرے ساتھ میرا چھوٹا بھائی گل جان خان جان کے گھر پر تھا اور ہم دونوں اُن کے زرخرید غلاموں کی طرح تھے۔ وہ جو چاہتے جب چاہتے، جہاں چاہتے ہم دونوں سے اُس چھوٹی عمر میں کام کرواتے مثلاً لکڑیاں لانا، مویشیوں کے لئے چارہ لانا، مویشی چرانا، مویشیوں کا گوبر اٹھانا اور کھیتوں تک لے کر جانا، کھیتوں کو پانی لگانا۔ الغرض ہم دونوں بھائی اپنی اپنی استعدادوں کے مطابق اُن کا حکم بجالاتے اور معمولی سی غفلت پر ہم دونوں پر بہت سخت ظلم کیا جاتا، مارا جاتا بھوکا رکھا جاتا اور اگلے روز ڈبل کام لیا جاتا۔ ان تمام مشکلات سے تنگ آ کر میرے چھوٹے بھائی گل جان نے گھر سے راہِ فرار اختیار کی یعنی وہ گھر سے بھاگ گیا اور پھر تقریباً ایک ماہ بعد واپس آ گیا۔

چند دن گزارنے کے بعد خان جان کی بیوی بابکہ نے ہم دونوں کو چوزوں کی نگرانی کے لئے گھر سے باہر بٹھایا

ہوا تھا کہ اس دوران ایک کوا ایک چوزے کو اچک کر لے گیا اس پر بابکہ سخت ناراض ہوئیں اور ہم دونوں بھائیوں کو سخت مارا۔بابکہ کے اس ناروا ظلم سے تنگ آ کر ہم دونوں بھائیوں نے گھر سے بھاگ جانے کا مشورہ کیا اور دونوں بھائی گھر سے بھاگ نکلے۔ہم گھر سے تقریباً ۵ میل دور ایک گاؤں چریان جو کہ چھاؤنی کے قریب تھا چلے گئے کوئی جاننے والا اُس گاؤں میں نہیں تھا۔اس لئے ہم (بیت) میں چلے گئے۔ہم پٹھانوں کا دستور ہے کہ جہاں کسی کا کوئی واقف نہ ہو تو وہ (بیت) چلا جاتا ہے تا لوگ اجنبی سے مل کر اُس کی ضروریات کا خیال رکھ سکیں اور اس بناء پر ہم بھی (بیت) چلے گئے۔اس وقت موجود لوگوں میں ایک آدمی خیال جان صاحب تھے جو اُسی گاؤں کے رہنے والے تھے وہ ہمیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے اور اُنہوں نے اور اُن کے گھر والوں نے ہم دونوں بھائیوں کی خوب خاطر مدارات کی یعنی خوب اچھا کھانا دیا مگر رات بسر کرنے کے لئے ہم دوبارہ (بیت) میں آ گئے اور صبح ناشتہ کے لئے بھی خیال جان صاحب نے ہمیں اپنے گھر آنے کو کہا۔ناشتہ کے بعد اُنہوں نے تھوڑی روٹی اور گڑ ہمارے لئے باندھ دیا اور کہا کہ اگر تم نے جانا ہے تو جلد کرو یہ سامان آپ کے سفر میں کھانے کے لئے ہے۔ابھی ایک ٹرک پاراچنار جانے کے لئے تیار کھڑا ہے۔اگر تم دونوں واقعی پاکستان جانا چاہتے ہو تو اس ٹرک پر سوار ہو جاؤ۔ہم دونوں بھائی ٹرک کے اگلے چھجے پر سوا ہو گئے اور ہم نے اپنے آپ کو ٹرک کی ترپال میں چھپا لیا۔ابھی وہ ٹرک وہیں کھڑا تھا کہ خان جان کا بیٹا رفیق وہاں آ نکلا۔چونکہ ہم دونوں بچے ہی تھے رفیق کو دیکھ کر میرے چھوٹے بھائی گل جان نے باوجود میرے منع کرنے کے ٹرک کے چھجے پر سے سر نکال کر رفیق کو آواز لگائی کہ ہم تو یہاں ہیں۔رفیق نے جب ہمیں دیکھا تو ٹرک سے نیچے اتار لیا اور واپس گھر بھجوا دیا ہم بابکہ کے پاس گھر آ گئے۔واپسی پر بابکہ ہاتھ میں کلہاڑی لئے ہمارا استقبال کر رہی تھی۔اس نے مجھ عاجز پر اُس کلہاڑی سے وار کیا۔مارنے والے سے بچانے والا بہت بڑا ہے۔باری تعالیٰ کے فضل سے کلہاڑی کا وار ضائع گیا اور خدا تعالیٰ نے مجھے اس بہت بڑے حادثہ سے محفوظ رکھا اور مجھے ایک نئی زندگی عطا ہوئی۔بہرحال گھر جا کر دوبارہ اُس گالی گلوچ اور گندی زبان کا سامنا کرنا پڑا اور وہی پرانے کام بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ کرنے پڑے اور اس طرح ہم دونوں بھائیوں نے زندگی کے دن گزارنے شروع کئے۔اس دوران ایک بار پھر گل جان گھر سے فرار ہو گیا۔یعنی گھر سے بھاگ جانے کا اُس کا تیسرا واقعہ تھا۔میں اکیلا بابکہ کے گھر کے کام کاج کرتا رہا۔انہی ایام میں ایک دن ایسا بھی آیا کہ خان جان فوت ہو گیا۔اس کی موت بھی بڑی عبرتناک موت تھی۔بالکل پاگل ہو چکا تھا دیواروں سے ٹکریں مار مار کر وہ اپنے آخری ایام کو پہنچا۔اُس کی اس عبرتناک موت کا اس کا اپنا بیٹا الوزئے گواہ تھا جو ابھی ۲۰۰۱ء میں فوت ہو گیا ہے۔خان جان کی وفات کے بعد ایک دن بابکہ نے مجھے کہا میں تمہیں ہلاک کر کے جانوروں والے کمرے میں دفن کر دوں گی۔ایک دن اُس نے مٹی کے برتن میں دہی اور روٹی کے ٹکڑے ملا کر مجھے دیئے اور اس میں بابکہ نے زہر ملا دیا۔میں کیونکہ ناواقف تھا اس لئے روٹی کھا لی۔بعد ازاں بابکہ نے مجھے کہا کہ اب جا کر جانوروں کے کمرہ کی صفائی کرو۔میں ابھی دس سیڑھیاں نیچے اترا ہوں گا کہ میرے پیٹ میں سخت درد اٹھا۔بابکہ کی بیٹی نوربی بی کسی کام سے جب سیڑھیوں سے اترنے لگی تو اس نے مجھے

وہاں بیٹھا دیکھ کر اپنی والدہ بابکہ کو میرے بارے میں بتلایا کہ پیٹ درد کی وجہ سے سیڑھیوں میں ہی بیٹھا ہوا ہے اس پر بابکہ نے مجھے اوپر بلایا اور مجھے کچھ دوائی دے کر کمرے میں لیٹ جانے کو کہا اور میں کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ کمرے کے اندر جانے کا مجھے احساس ہے اور پھر دوبارہ ہوش میں آنے کا بھی احساس ہے کیونکہ آٹھ بجے میں نے کھانا کھایا تھا اور اُس کے بعد پیٹ میں درد ہوا پھر دوائی کھائی اور تقریباً نو بجے تک مجھے ہوش تھی اس کے بعد میں بے خبر ہوگیا اور جب ہوش آیا تو تقریباً گیارہ بجے ہوں گے۔ ہوش میں آنے کے بعد ایک شخص عیدگل نے مجھے ساری تفصیل بتائی۔ میری بے ہوشی کے دوران مجھے بہت جسمانی تکلیف پہنچائی۔ بابکہ نے اپنی پوری کوشش کی کہ میں باقی ماندہ زندگی بالکل معذور ہو جاؤں لیکن خدا تعالیٰ کو ایسا منظور نہیں تھا کیوں کہ میں اُن کی تمام تر کوشش کے باوجود بھی زندہ رہا۔ البتہ اُن کی دی ہوئی اذیت کی وجہ سے میں جسمانی طور پر معذور تو ہوگیا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ میں مکمل طور پر معذور نہیں ہوا۔ آج میرے جسم کی جو بھی حالت ہے یہ اُس بابکہ کی سختی کی وجہ سے ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے فضل فرمایا میں اپنے بعض عزیزوں کی کوشش سے کسی طرح پاکستان پہنچ گیا اور اپنے گھر والوں کے پاس آ گیا۔ اب میری یہ حالت ہے کہ میری کمر، میری پیٹھ اور میرا پیٹ ایک عجیب شائل اختیار کر گیا ہے میرا اوپری وجود صرف ڈیڑھ فٹ کا رہ گیا ہے۔ جب میں افغانستان سے ربوہ آیا تھا تو محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب نے میرے ایکسرے بھی کروائے تھے۔ باوجود ایک اعلیٰ قسم کے سرجن اور سپیشلسٹ ہونے کے اُنہیں بھی یہ علم نہ ہو سکا کہ مجھے کس کس طرح اذیت دی گئی اور بہت حیران تھے۔ میری داستان تو بڑی طویل ہے لیکن اپنی ذاتی مشکلات کو مزید بیان نہیں کرنا چاہتا اس لئے اس پر اکتفا کرتا ہوں میں اپنے احمدی بہن بھائیوں اور بزرگوں سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں تا باری تعالیٰ مجھے ہر قسم کی آزمائش سے بچائے اور اپنی امان میں رکھے اور مجھے مقدور بھر خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔

کامل معجزہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''**قرآن شریف جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کامل معجزہ ہے۔** دوسری کتابوں کی نسبت ہم نہیں دیکھتے کہ ایسی تحدی کی گئی ہو جیسی قرآن شریف نے کی ہے، **اگرچہ ہم اپنے تجربہ اور قرآن شریف کے معجزہ کی بناء پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا کا کلام ہر حال میں معجزہ ہوتا ہے، لیکن قرآن شریف کا اعجاز جس کاملیت اور جامعیت کے ساتھ معجزہ ہے۔ دوسرے کو ہم اس جگہ نہیں رکھ سکتے، کیونکہ بہت سی وجوہ اور صورتیں اس کے معجزہ ہونے کی ہیں اور کوئی شخص اس کی مثال بنانے پر قادر نہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ کلام ایسا معجزہ نہیں ہوسکتا۔** وہ بڑے ہی گستاخ اور دلیر ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے اور دیکھتے کہ خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق بے مثل اور لانظیر ہے۔ پھر اس کے کلام کی نظیر کیسے ہوسکتی ہے؟ ساری دنیا کے مدبر اور صناع مل کر اگر ایک تنکا بنانا چاہیں تو، بنا نہیں سکتے، پھر خدا کے کلام کا مقابلہ وہ کیسے کر سکتے؟'' **(ملفوظات جلد دوم ۲۵)**

(مرسلہ: قائد تعلیم القرآن مجلس انصاراللہ پاکستان)

سربکف ہو کے تیرے کوچہ میں ہم آئیں گے

(کلام مکرم چوہدری شبیر احمد سلمان صاحب)

چارہ گر کون سی تدبیر نہ کر پائیں گے
دل کے بیمار مگر پھر بھی گزر جائیں گے

جن کو پہچان نہیں اپنے مسیحا کی ابھی
ایسے بیمار بھلا خاک شفا پائیں گے

سرفروشی کی تمنا ہے ہمارے دل میں
طوق و زنجیر سے ہم کس لیے گھبرائیں گے

آج دیکھیں گے ترے حوصلے اے جانِ جہاں
سربکف ہو کے ترے کوچہ میں ہم آئیں گے

غرب میں پہنچیں گے جب ساقیٔ کوثر کے غلام
ساغر و مینا بھی تعظیم سے جھک جائیں گے

جب .....دیں گے وہ تثلیث کے ایوانوں میں
خوف سے کنگرے کلیسا کے بھی تھرّائیں گے

مُژدہ وہ وقت کہ جب اپنے چمن کو شبیرؔ
اپنے محبوب کے قدموں میں اٹھا لائیں گے

پھر نئی شان سے نکلیں گے بہاروں کے جلوس
سرمدی نغمے فضاؤں میں بکھر جائیں گے

تعارف کتاب

''برکات الدعاء''

مکرم فضل احمد شاہد صاحب

سرسید احمد خاں نے دو رسالے تحریر کئے۔ایک کا نام ''الدعاء والاستجابۃ'' اور دوسرے کا نام ''تحریر فی اصول التفسیر'' تھا۔ان دونوں کتابوں میں بعض ایسی باتیں تھیں جو اسلامی تعلیم کے منافی تھیں۔اس لئے مامور زمانہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپریل 1893ء میں ان کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اور سرسید کے غلط خیالات کے رد میں ایک کتاب تحریر فرمائی جو برکات الدعاء کے نام سے موسوم ہے۔

برکات الدعاء میں آپ نے اسلامی تعلیم اور اپنے ذاتی تجارب کی روشنی میں بڑے زوردار الفاظ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ دعا حقیقتاً قبول ہوتی ہے اور سرسید کے یہ خیالات غلط ہیں کہ دعا صرف ثواب کی خاطر کی جاتی ہے اور اس کا قبولیت سے کوئی تعلق نہیں آپ کے ارشادات کے بعض حصے درج ذیل ہیں۔

دعا کی ماہیت: آپ دعا کی ماہیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں ''دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اُس کے رب میں ایک تعلق جاذبہ ہے۔یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اُس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔تب اُس کی روح اُس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوتِ جذب جو اُس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جل شانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔''

(برکات الدعاء روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۹۔۱۰)

جزیرہ عرب میں انقلاب کی وجہ: ملک عرب میں بہت تھوڑے عرصہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک انقلاب عظیم آ گیا اس انقلاب کا نقشہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ان مبارک الفاظ میں کھینچا ہے۔

فرمایا ''وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہوگئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔'' (برکات الدعاء۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۰۔۱۱)

ذاتی تجربہ: حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے دعا کے بارہ میں جو مضمون بھی بیان فرمایا۔ یا جہاں بھی اس مضمون پر روشنی ڈالی۔ وہاں آپ کا بیان اور اسلوب تحریر بتاتا ہے کہ آپ اپنے تجربات کی روشنی میں یہ مضمون بیان فرما رہے ہیں۔ اس کتاب میں بھی آپ فرماتے ہیں ''میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسباب طبیعہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دعا ہے۔''

(برکات الدعاء۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۱)

اپنے ذاتی تجارب کی بناء پر آپ سرسید کو تحریر فرماتے ہیں:

''میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر سید صاحب اپنے اس غلط خیال سے توبہ نہ کریں اور یہ کہیں کہ دعاؤں کے اثر کا ثبوت کیا ہے تو میں ایسی غلطیوں کے نکالنے کے لئے مامور ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی بعض دعاؤں کی قبولیت سے پیش از وقت سید صاحب کو اطلاع دوں گا۔'' (ایضاً صفحہ ۱۲)

قبولیت دعا کی شرائط: حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے قبولیت دعا کی شرائط کو اس کتاب میں حسین انداز میں رقم فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''دعا سے وہ دعا مراد ہے جو بجمیع شرائط ہو اور تمام شرائط کو جمع کر لینا انسان کے اختیار میں نہیں جب تک توفیق ازلی یاور نہ ہو۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ دعا کرنے میں صرف تضرع کافی نہیں ہے بلکہ تقویٰ اور طہارت اور راست گوئی اور کامل یقین اور کامل محبت اور کامل توجہ اور یہ کہ جو شخص اپنے لئے دعا کرتا ہے یا جس کے لئے دعا کی گئی ہے اُس کی دنیا اور آخرت کے لئے اس بات کا حاصل ہونا خلافِ مصلحت الٰہی بھی نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات دعا میں اور شرائط تو سب جمع ہو جاتے ہیں مگر جس چیز کو مانگا گیا ہے وہ عند اللہ سائل کے لئے خلاف مصلحت الٰہی ہوتی ہے ..... بجز اس کے اور بھی کئی شرائط ہیں کہ جب تک وہ تمام جمع نہ ہوں اُس وقت تک دعا کو دعا نہیں کہہ سکتے اور جب تک کسی دعا میں پوری روحانیت داخل نہ ہو اور جس کے لئے دعا کی گئی ہے اور جو دعا کرتا ہے ان میں استعداد قریبہ پیدا نہ ہو تب تک توقع اثرِ دعا امید موہوم ہے اور جب تک ارادہ الٰہی قبولیت دعا کے متعلق نہیں ہوتا تب تک یہ تمام شرائط جمع نہیں ہوتیں اور ہمتیں پوری توجہ

سے قاصر رہتی ہیں‘‘ (برکات الدعاء۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۳۔۱۴)

تفسیر قرآن کے اصول : اس کتاب میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے تفسیر قرآن کے سات معیار رقم فرمائے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱)’’سب سے اوّل معیار تفسیر صحیح کا شواہد قرآنی ہیں‘‘(صفحہ 17)

’’سو اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت کے معنی کریں تو ہمیں دیکھنا چاہئیے کہ ان معنوں کی تصدیق کے لئے دوسرے شواہد قرآن کریم سے ملتے ہیں یا نہیں۔‘‘ (صفحہ ۱۸)

(۲)’’تفسیر قرآنی کا دوسرا معیار حضور کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہے۔اس ضمن میں فرمایا’’اس میں کچھ شک نہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کے معنی سمجھنے والے ہمارے پیارے اور بزرگ نبی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تفسیر ثابت ہو جائے تو مسلمان کا فرض ہے کہ بلا توقف اور بلا دغدغہ قبول کرے نہیں تو اُس میں الحاد اور فلسفیت کی رگ ہوگی۔‘‘ (صفحہ ۱۸)

(۳)’’تیسرا معیار صحابہؓ کی تفسیر ہے۔اس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نوروں کو حاصل کرنے والے اور علم نبوت کے پہلے وارث تھے۔اور خدا تعالیٰ کا اُن پر بڑا فضل تھا اور نصرت الٰہی اُن کی قوت مدرکہ کے ساتھ تھی کیونکہ اُن کا نہ صرف قال بلکہ حال تھا۔‘‘ (صفحہ ۱۸)

(۴)’’چوتھا معیار خود اپنا نفس مطہر لے کر قرآن کریم میں غور کرنا ہے کیونکہ نفس مطہرہ سے قرآن کریم کو مناسبت ہے۔‘‘ (صفحہ ۱۸)

(۵)’’پانچواں معیار لغت عرب بھی ہے......بعض اوقات قرآن کریم کے اسرار مخفیہ کی طرف لغت کھودنے سے توجہ پیدا ہو جاتی ہے۔اور ایک بھید کی بات نکل آتی ہے۔‘‘(صفحہ ۱۹)

(۶)’’چھٹا معیار روحانی سلسلہ کے سمجھنے کے لئے سلسلہ جسمانی ہے۔کیونکہ خداوند تعالیٰ کے دونوں سلسلوں میں بکلی تطابق ہے۔‘‘(صفحہ ۱۹)

(۷)’’ساتواں معیار وحی ولایت اور مکاشفات محدثین ہیں۔‘‘(صفحہ ۱۹)

اس معیار کے تابع حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے ذاتی مشاہدات کو بڑے لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے۔ آئیے ہم اس کتاب کا لفظاً لفظاً مطالعہ کریں اور خدا تعالیٰ سے برکتیں پائیں۔

تربیت کی ایک کامیاب تحریک ''وقف عارضی''

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور اس کے القاء کے ماتحت میں نے قرآن کریم کی اشاعت اور جماعت کی تربیت کی غرض سے جماعت میں وقف عارضی کی تحریک کی اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی تھی۔ یہ تحریک محض اس کے فضل سے ہر لحاظ سے بڑی ہی کامیاب ثابت ہوئی اور کامیاب ثابت ہو رہی ہے۔

اس وقف عارضی کی تحریک میں حصہ لینے والے نوجوان بھی تھے، بوڑھے بھی تھے، کم علم طالب علم بھی تھے اور بڑے تجربہ کار ایم۔اے، جنہوں نے اپنی ساری عمر علم کے میدان میں گزاری تھی، وہ بھی تھے۔ پھر اس تحریک میں حصہ لینے والے زیادہ تر مرد تھے لیکن کچھ عورتیں بھی تھیں جنہوں نے اس میں حصہ لیا۔ کیونکہ میں نے اپنے لئے یہ طریق وضع کیا تھا کہ میں وقف عارضی کی تحریک میں بیوی کو بھی خاوند کے ساتھ جانے کی اجازت دے دوں گا اگر اس نے وقف عارضی میں اپنا نام دیا ہوا ہو۔ اس کے علاوہ میں اور کسی احمدی بہن کو اس میں حصہ لینے کی اجازت دوں گا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک بہن نے لکھا تھا کہ میری ہی تحریک کے نتیجہ میں میرے بھائی نے وقف عارضی کے سلسلہ میں اپنا نام پیش کیا۔ آپ اجازت دیں کہ میں بھی وقف کے کام کے لیے اس جگہ چلی جاؤں جہاں میرے بھائی کو مقرر کیا جائے۔ میں نے اپنی اس عزیزہ بچی کو اس کی اجازت نہیں دی تھی۔ بہر حال کچھ احمدی بہنیں بھی اپنے خاوندوں کے ساتھ جا کر بطور رواقفہ کے اس تحریک میں حصہ لے چکی ہیں۔'' (خطبات ناصر جلد اوّل صفحہ ۴۰۱)

(مرسلہ: قائد تعلیم القرآن و وقف عارضی مجلس انصاراللہ پاکستان)